سال ۲۸
نظارہ
ہفتہ وار
ل العباس نمبر
لکھنؤ
قیمت ایک روپیہ
ایڈیٹر سید ظفر عباس فضل
(صرف ٹائٹل نظامی پریس لکھنؤ میں چھپا)
الانہ چھ روپیہ

در شبیر تک آؤ تو حق کا نام ملتا ہے
یہی ایمان کا مرکز ہے یہین اسلام ملتا ہے (فضل)
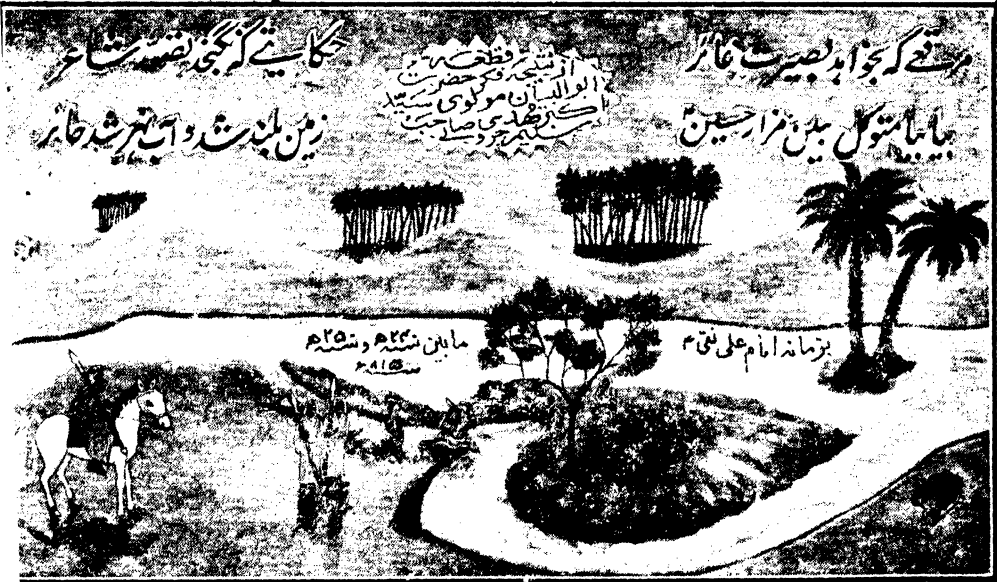
ہل تک نہ چلے ظلمون پر جو آب تہا چکر کہا کے رہا
دریا کی ابہرتی موجون مین تربت کا نشان لہرا کے رہا (فضل)

شاہی متوکل ختم ہوئی۔ عباس کا روضہ دیکھ ذرا
قبضہ تو اسی کو کہتے ہیں۔ دریا میں کلس لہرا کے رہا
(فضل)
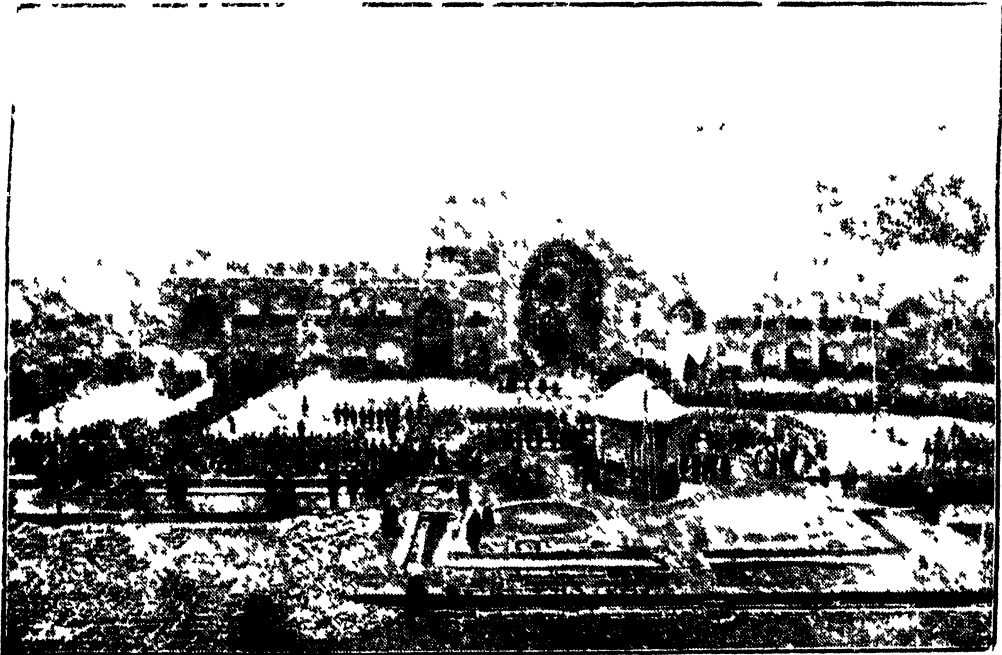
ہے شوق ولا دل میں تو چل ہند سے شاعر
جنت کو خراسان سے بھی اک راہ گئی ہے
(شاعر مدظلہ)

عبّاس علیہ السلام
بنی ہاشم کا چاند
محبت کا ناخدا
سکینہ کی امید
زینبؑ کی آس
حسینؑ کا دل
حسنؑ کا سہارا
روح وفا
آزادی کا پرچم
پیش کردۂ ناچیز ۔ (قطب)

فہرست مضامین

ہفتہ وار

جلد ۱۴ | ۲۸ر ستمبر ۱۹۴۴ء | نمبر ۱

عباسؑ کے دربار میں

"سالانہ نذر"

دل کی رگوں سے خون کھنچتا ہے تو آنسو بنتے ہیں، یہ آنسو ویسے ہی سچے آنسو ہوتے ہیں، جیسے سچے صدف سے نکلے ہوئے موتی۔ روحانیت کے جس کمال پر ممدوح ہوتا ہے۔ اس کا نام لیکر مدح کرنے والا بھی چلتا ہے۔ اگر دنیا سے حقیقی محبت فنا ہو جائے تو دنیا کا وجود ہی نہ رہے۔ حسینؑ بلندی کی اُس منزل پر ہیں جہاں ہر انسانی خیال کی بلندی بھی پستی ہے۔

وہ جادہ جہاں انبیاء نہ چل سکے، وہ منزل جہاں اولیاء سپر انداختہ ہوگئے۔ وہ عروج جو ملائکہ کے فہم سے اونچا ہو گیا کیا جانے ہمارا آقا روحانیت کے اُس آخری درجے پر ہے جس کو سوائے خدا کے دوسرا نہیں سمجھ سکتا۔ پھر وہاں تک ہماری کوئی نذر پہونچے تو کیونکر؟ ---- مگر ہماری نذر دنیاوی نذر نہیں ہوتی جو مادیت سے دب کر رہ جائے۔ ہمارا ہدیہ نیت کی چار دیواری کا اور محبت کے حصار میں چلتا ہے۔ جیسے غریب کی دعا

نسوحہ

آج دنیا لفظ "وفا" کو بار بار استعمال کرتی رہتی ہے۔ اور ہر اس شخص کو "با وفا" کہدینے پر تیار ہو جاتی ہے جس پر سطح آب کی طرح اگر سچائی کی لکیر بھی جھلک جائے لیکن "وفا" ایک دشوار گزار راستہ ہے جس پر ۶۱ھ روز عاشورہ وقت ظہر صرف ابوالفضل العباسؑ چلتے اور آخر تک ہو چکر رہے۔ وفا عباسؑ کی ہو گئی اور عباسؑ وفا کے ہو گئے — جیسے کہ کسی کا قول ہے

"محبت خدا ہے اور خدا محبت"

ہم برسوں سے نظارہ کا یہ ہدیہ سال بھر کے بعد آقائے دو جہاں ابوالفضل العباس علیہ السلام کے دربار میں پیش کرنے کا فخر حاصل کرتے ہیں۔ لیکن یہ نذر صرف ہماری تنہا نہیں ہوتی بلکہ بہت سے عباسؑ کے چاہنے والوں کے اس میں ہاتھ لگے ہوتے ہیں۔ یعنے اگر صرف ہم ہی اپنے ناچیز ہاتھوں سے یہ نذر پیش کرتے ہوتے تو وزن ہلکا ہوتا لیکن مومنین کرام مل جل کر عقیدت کا یہ موتی پیش کرتے ہیں۔ خدا کرے کہ دربار آقائے دو جہاں میں ہم لوگوں کی یہ نذر قبول ہو جائے۔

ہم اُن حضرات کا شکریہ ادا کرتے ہیں جنھوں نے اس نمبر کے نکالنے میں ہمارا ہاتھ بٹایا جس میں سے چند حضرات کا شکریہ باقی رہ گیا تھا۔ جیسے کہ جناب لفٹنٹ مرزا مشتاق حسین صاحب، جناب نواب سید کاظم حسین صاحب، جناب سید حامد حسن صاحب رئیس، جناب سید علی رضا صاحب بلگرامی رئیس۔ جناب حیدر علی صاحب بروانی [illegible]۔
اُن مضمون نگار اور حضرات شعراء کا شکریہ ادا کرنا بھی ضروری ہے جنھوں نے اپنے مضامین اور نظموں سے اس نمبر کو کامیاب بنایا۔ ہمیں افسوس ہے کہ بہت سے مضامین صرف اسلئے اشاعت سے رہ گئے جو تاخیر سے ہم کو موصول ہوئے۔ انشاء اللہ آئندہ نمبروں میں ہم ضرور شائع کریں گے۔

(ایڈیٹر مقبل)

(از عالی مرتبت مہاراجکمار محمد محمود حسن صاحب جناب محمود آف بسہا اسٹیٹ بالقابہ)

عطیہ خاص

بہار گلشن شاہ زمن غنیمت ہے
کھلا ہوا یہ حسینی چمن غنیمت ہے

عزائے شاہ غریب الوطن غنیمت ہے
یہ شور ماتم شاہ زمن غنیمت ہے

نہیں جناں کی ہوس کربلا کے ہوتے ہوئے
ہمیں مزار غریب الوطن غنیمت ہے

بہشت و ارض نجف ایک ہی ہے اے رضواں
تجھے وہ باغ مجھے یہ چمن غنیمت ہے

جو خاص خاص نے تعریف کی تو لطف نہیں
پسند عام جو ہو وہ سخن غنیمت ہے

شریک آل عبا ہو کے کہتے تھے جبرئیل
بہم ہیں ایک جگہ پنجتن غنیمت ہے

یہ کہتے تھے علی اکبرؑ کے دیکھنے والے
یہ ہم شبیہ رسولؐ زمن غنیمت ہے

شریک مجلس غم ہو کے کہتے ہیں یہ ملک
یہ بزم ماتم شاہ زمن غنیمت ہے

بہا کے اشک گلوں سے یہ کہتی ہے شبنم
یہ چار دن کی بہار چمن غنیمت ہے

فشار قبر کی ایذا وہ دے نہیں سکتا
زمین سے تو یہ چرخ کہن غنیمت ہے

کہا حسینؑ نے اکبرؑ کو دیکھ لو زینبؑ
یہ ایک رات کی مہلت بہن غنیمت ہے

ہیں مدح شہ میں فلک سے بلند اے محمود
ہمیں یہ اوج زمین سخن غنیمت ہے

استاد الاساتذہ دعبلِ ہند جناب ذاخر اعلی اللہ مقامہ کا ایک مشہور نوحہ

ماں کا نالہ لاش تک آتا ہے اکبرؑ گھر میں آؤ
ہجر یوں بھی کوئی اٹھواتا ہے اکبرؑ گھر میں آؤ

ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا نازک کلیجہ وقتِ جنگ
اس طرح برچھی کوئی کھاتا ہے اکبرؑ گھر میں آؤ

صدقے جاؤں کی وفا عہدِ جوانی نے نہ کچھ
اتنا جلدی کوئی مر جاتا ہے اکبرؑ گھر میں آؤ

تم سے ملنا کیا مری جاں ماں کی قسمت میں نہیں
دل مرا کاہے کو گھبراتا ہے اکبرؑ گھر میں آؤ

ماں کے ہوتے دوسرا تیمارداری کیوں کرے
دردِ دل کروٹ بدلواتا ہے اکبرؑ گھر میں آؤ

تم تپاں مقتل میں ہو اور ماں ہے ڈیوڑھی پر تپاں
میری جاں الفت میں فرق آتا ہے اکبرؑ گھر میں آؤ

آچلا ہے کیا حجابِ موت تہہ کر کے قریں
چاند آنکھوں سے چھپا جاتا ہے اکبرؑ گھر میں آؤ

دل یہ کہتا ہے کہیں زخمی مرا بچہ نہ ہو
خون یہ کس کا نظر آتا ہے اکبرؑ گھر میں آؤ

میری جاں جو نکلے ہواؤں کے ہیں مقتل میں کہ موت
رخ پہ گیسو کون سلجھاتا ہے اکبرؑ گھر میں آؤ

زخم میرے پالنے کا دے رہے ہیں یہ صلہ
دودھ خوں ہو کر بہا جاتا ہے اکبرؑ گھر میں آؤ

صدقے جاؤں لڑتے لڑتے کونسی کھائی سناں
میرے دل میں پھل کھٹک جاتا ہے اکبرؑ گھر میں آؤ

ہو چلا ہے زندگی کے ساتھ مرنے کا یقیں
یہ بھی پردہ اب اٹھا جاتا ہے اکبرؑ گھر میں آؤ

تم سلامت گر نہیں تو نور آنکھوں میں نہیں
یہ چراغ اب گل ہوا جاتا ہے اکبرؑ گھر میں آؤ

ہو گئی اماں تم پہ جس میں گود کے پالے نہ ہوں
گھر وہ عالم میں اُبڑ جاتا ہے اکبرؑ گھر میں آؤ

نصیبے سے دریگر تھالے ذاخر یہ لیلا کا بیاں
کوئی اتنی راہ دکھلاتا ہے اکبرؑ گھر میں آؤ

ترا کیا کہنا

(از جناب سید نواب صاحب افسر لکھنوی)

مرحبا شہ کے علمدار ترا کیا کہنا
نازش عترت اطہار ترا کیا کہنا

زیب پہلوئے حسنؑ قوت بازوئے حسینؑ
تجھے ہر فخر سزاوار ترا کیا کہنا

اپنا سر دے کے وہ خالق کی رضا کا سودا
وہ تری گرمئ بازار ترا کیا کہنا

ہے اک افسانۂ مہمل ترے عرفاں کے حضور
داستانِ رسن و دار ترا کیا کہنا

ہاتھ کٹنے پہ بھی مٹھی میں رہی چوبِ علم
ایسے ہوتے ہیں علمدار ترا کیا کہنا

رقص کرتی ہے تری تیغ کے دم پر اب تک
انقلابات کی رفتار ترا کیا کہنا

تیرے شعلہ نے دیا سینۂ آہن کو گداز
تو ہے برقِ سرِ کہسار ترا کیا کہنا

تجھ سے ظاہر ہوا انسان کی فطرت کا جمال
تو نے قائم کیا معیار ترا کیا کہنا

دیکھے اک ذرۂ بے مایہ کو تابِ خورشید
کر دیا مطلعِ انوار ترا کیا کہنا

وہ ترا صدق و صفا وہ ترا ایثار و ثبات
وہ مکمل ترا کردار ترا کیا کہنا

تو نے مظلوم کو اونچا کیا ظالم کے خلاف
فطرتیں ہو گئیں ہموار ترا کیا کہنا

کتنی ڈوبی ہوئی نبضوں کو ابھارا تو نے
کتنے جذبے کئے بیدار ترا کیا کہنا

دوشِ اقدس پہ علم ہاتھ میں برچھا نیزہ
ہے یہ ہو حیدرِ کرار ترا کیا کہنا

لب کے ہر زخم پہ اک خندۂ رنگینِ وفا
وہ تری عشرتِ پیکار ترا کیا کہنا

چھا گئی شورشِ کونین پہ جھنکار تری
اسد اللہ کی تلوار ترا کیا کہنا

بیعت لے لی

فضل کے قلم سے

ظلم و ستم جور کی طاقت لے لی | جو نسل میں جاتی وہ حکومت لے لی
شبیرؑ کے قدموں پہ گرا تاجِ یزید | بیعت کے طلبگار سے بیعت لے لی

پانی اور حیاتِ اصغرؑ

بگڑی ہوئی تقدیر بنا سکتا تھا | بچہ کو کوئی دودھ پلا سکتا تھا
دنیا کو دکھانا تھی یزیدی فطرت | پانی کہیں اصغرؑ کو جلا سکتا تھا

بچہ سے بھی بیعت چاہی

تو نے تو یزید ایسی حکومت چاہی | دنیا کو فنا کرنے کی طاقت چاہی
ناوکِ بنِ کاہل کا گواہی دے گا | چھ ماہ کے بچے سے بھی بیعت چاہی

ہر گھر میں حسینؑ

آنکھوں کی طرح قلب پیمبرؐ میں حسینؑ | ہر اشک میں ہر خشک میں ہر تر میں حسینؑ
معبود کے مقصد کی طرح پھیل گئے | ہر ملک میں ہر قوم میں ہر گھر میں حسینؑ

ایک شمع بہتر پروانے

(از جناب اسد انصاری صاحب فرنگی محلی لکھنؤ)

جمال سبط پیغمبرؐ کے دیوانے بہتر تھے
تھی شمع روئے انور ایک پروانے بہتر تھے

جنون عشق تھا جن کو وہ دیوانے بہتر تھے
فدا ہوش و خرد جن پر وہ فرزانے بہتر تھے

تھی ہر دل میں نہاں تصویر ابن ساقی کوثر
تصدق جن پہ سو کعبے وہ بت خانے بہتر تھے

ہوا تھا خاتمہ ہر ایک کا ذکر شہادت پر
تھی سرخی ایک سب کی اور افسانے بہتر تھے

نرالی تھی جماعت مختصر اللہ والوں کی!
عجب تسبیح تھی وہ جس میں کل دانے بہتر تھے

پڑی تھیں گتھیاں پر پیچ اور عقدے تھے لاینحل
کہ سلجھانے کو زلفین دین کی شانے بہتر تھے

انوکھے تھے پیادے اور مہرے بھی نرالے تھے
بساط سید السادات کے خانے بہتر تھے

کمال کار سب نے جان دی حق کی حمایت میں
حقیقت ایک تھی کہنے کو افسانے بہتر تھے

(قطعہ)

سروں میں سب کی نشہ تھا ولائے ابن حیدر کا
کہ تھا اک شیشہ اور پیمانے بہتر تھے

اسد نے سوچ سمجھے کہہ دیا یہ تو نے کیا آخر
وہ پیمانے بہتر تھے کہ میخانے بہتر تھے

تیر کے ساتھ تھا پانی جیسے

(از جناب ماہر نقوی)

ذکر شہ میں ہے روانی جیسے
شمع کہتی ہے کہانی جیسے

ہنس دیئے دست شاہ پر اصغر
تیر کے ساتھ تھا پانی جیسے

پھول سے رخ پہ ہیں اشک اصغر
گل کی پتی پہ ہو پانی جیسے

تیغ عباسؑ سے دریا کے قریں
یوں بہا خون کہ پانی جیسے

دھوپ میں عکس پر جسم عباسؑ
بہتا ہو دور پہ پانی جیسے

کروٹیں لیتی ہے یوں موج فرات
چھا گئی تشنہ دہانی جیسے

یوں ہیں لیلیٰ کی آنکھ میں آنسو
حسن اکبر کی نشانی جیسے

یوں نہ برباد ہو عالم میں کوئی
ہائے اکبر کی جوانی جیسے

مضمحل اس طرح ہے موج فرات
کند خنجر کی روانی جیسے

یوں پیمبرؐ کو بھلایا ہے یزید
بھول جاتے ہیں کہانی جیسے

طبع کا زور ہے یوں اے ماہر
بہتے اشکوں کی روانی جیسے

حکومت الٰہیہ اور علیؑ

اِنَّ الدِّینَ عِندَ اللّٰہِ الاِسلام

(از سرکار عمدۃ العلماء مولانا سید کلب حسین صاحب مجتہد مدظلہ العالی)

قرآن مجید ہر مسلمان کے نزدیک ذات واحد احد کا وہ بے نظیر کلام ہے جس کی ہر ہر آیت مسلمین کے واسطے واجب العمل اور ہر حکم ایمانداروں کے لیے فرمانبرداری کرنے کے لائق۔ اسی قرآن کی حق وصداقت میں ڈوبی ہوئی فرمائش ہے کہ جو دین خدا کے نزدیک ہے اور جس دین کو خدا نے جاری کیا وہ اسلام اور محض اسلام ہے۔

یہی اسلام دین آدمؑ تھا اور اسی اسلام کی تبلیغ تمام انبیاء نے کی اور یہی اسلام خاتم النبیین کے ہاتھوں دنیا میں پھیلا۔ پھولا اور سرسبز و شاداب ہوا۔

یہ سوال حل طلب ہے کہ اسلام محض ایسے تعلیمات کا نام ہے جن کا ثمر اور اثر صرف آخرت سے متعلق ہے یا اس کو دنیا سے بھی کوئی تعلق و ربط بالواسطہ یا بلاواسطہ موجود ہے؟

حقیقت شناس نگاہیں اور واقعات و حالات کے ساتھ ہی ساتھ مکمل تعلیم اسلام پر نظر کرنے والے اقرار کرنے پر مجبور ہیں کہ تعلیمات اسلامی جو دراصل تعلیمات الٰہی کہے جا سکتے ہیں وحی کے ذریعہ سے بصورت قرآن یا بشکل حدیث قدسی یا زبان رسالت سے بہرصورت جس طرح بھی مسلمانوں میں جاری اور ساری ہوئے ہوں دین و دنیا دونوں ہی پہلوؤں پر مشتمل ہیں جہاں ان تعلیمات میں نماز روزہ حج و زکوٰۃ و خمس کے متعلق احکام ہیں وہاں جہاد۔ تجارت، زراعت حاکم کی اطاعت، محکوم سے نرمی نکاح و طلاق۔ ہبہ اور میراث، تعلقات زن و شوہر۔ اولاد و پدر۔ شغلوں کے طریقے۔ دوستوں اور دشمنوں سے برتاؤ غرض کوئی ایسی چیز چھوٹی ہوئی نہیں ہے جو دنیوی معاملات سے متعلق ہو اور اس کے واسطے کوئی نہ کوئی حکم شریعت میں موجود نہ ہو۔

انما ولیکم اللہ الخ کہہ کے تعلیم دی گئی کہ مسلمانوں کا حاکم کون کون ہو سکتا ہے تو اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم کہہ کے سمجھایا گیا کہ مسلمان کو کس کس کی اطاعت کرنا فرض ہے اور الا لہ الخلق والامر کہہ کے سمجھایا گیا کہ تمھارے ولی تو خدا کے سوا اور بھی ہیں اور تم کو خدا کے سوا اوروں کی بھی اطاعت واجب ہے مگر حکم جو کچھ ہے وہ صرف خدا کا ہے چاہے یہ حکم تم کو کتاب سے معلوم ہو یا رسول سے یا اولو الامر سے مگر روح حکومت صرف وہی ہوگی جس کا سلسلہ بارگاہ الوہیت سے ملا ہوا ہے۔ میرے اس بیان سے بالکل صاف ہو گیا کہ اگر ہم اسلام کے سچے پیرو ہیں اور دل سے اسلام کے ماننے والے ہیں تو ہمارا حاکم یا خدا ہو سکتا ہے یا خدا

کی نیابت سے رسول و امام اور یا جس کی اطاعت کا رسول اور امام حکم فرمائیں وہ ہمارا حاکم مگر بہر صورت قواعد سلطنت اور احکام صرف وہی ہوں گے جو خدا کی طرف سے اُترے اور قرآن یا رسول و امام کے ذریعہ سے ہم تک پہنچے۔ یہی ہے وہ حکومت الہیہ جس کی بنیاد صدر اسلام میں رسول کے ہاتھ سے رکھی گئی اور دوسروں نے اس کی شکل و صورت بعد رسول بدل کے کبھی شخصیت اور کبھی جمہوریت کے لباس میں پیش کیا اور یہی بدلی ہوئی شکلیں تھیں جو بارہ تیرہ برس کے بعد جب علی کے سامنے پیش کی گئیں تو انھوں نے اصلی شکل و صورت یعنی قرآن و سنت رسول کے لباس میں تو حکومت لینے کا اقرار کر لیا مگر لوگوں کی جدت طرازیوں کا منظور کرنا حکومت نہ ملنے سے بدتر سمجھے اور آخر نامنظور کر کے حکومت ٹھکرا دی اور بارہ برس اور دوسروں کے ظلم و جور سہتے رہے۔

اس حکومت الہی کو اگر کہا جا سکتا ہے تو خالص شخصیت جس میں ذات باری کے سامنے سر تسلیم خم کر کے تمام احکام کو بلا کسی شک و شبہ کے قبول کر لیا جائے۔ البتہ رسول کو وشاورھم فی الامر کہہ کے کچھ ہلکی سی جمہوریت کی بھی آمیزش کر دی گئی۔ جس کو خالص جمہوریت کہنا ایسا ہی ہے جیسے شام کے ہلکے ہلکے دھندلکے کو دن دوپہر یا شب تار قرار دے دینا۔

جب تمام احکام و معاملات۔ تعلقات ذاتی و قومی و ملکی کی تعین قرآن و سنت نے کر دی تو اب وہ چیزیں ہی کتنی رہ جاتی ہیں جن میں رسول یا کوئی اسلامی سلطان کسی سے مشورہ کرے؟ اگر قابل مشورہ کوئی چیز رہ جاتی تو صرف ایسی چیزیں جن کے متعلق اباحت و جواز اور ان کے کرنے نہ کرنے کا مسلمانوں کو اختیار دے دیا گیا ہے۔

یہی حکومت الہیہ وہ تھی جس میں نہ تو بالکلیہ مساوات تھی اور نہ ہر حیثیت سے تقسیم طبقات۔ کافر کو مسلمان سے پست رکھا گیا مومن سے منافق کو بہت گھٹایا۔ متقی کو بدکار پہ یقیناً فضیلت دی۔ عالم کو جاہل سے بہت بلند قرار دیا البتہ نسلی اور قومی امتیاز کو سرے سے نیست و نابود کر کے حبشی اور عربی کو مومن ہو جانے کے بعد ایک کر دیا۔ مگر اس کے بعد بھی ضروریات و حیثیات کا کچھ نہ کچھ لحاظ ضرور کیا جس کے شاہد حقوق زن و شوہر اور حجر یعنی کورٹ آف وارڈ کے احکام میں اچھی طرح دیکھے جا سکتے ہیں۔ نیز خاتم النبیین نے اکرموا کریم کل قوم کہہ کے اور شاہوں کی اولاد کو خاص برتاؤ کا مستحق قرار دے کے کچھ نہ کچھ ترجیح دے دی اس کے علاوہ اپنی اولاد اور پوری نسل کے متعلق خاص عزت و احترام کی تاکید کر دی جو تمام مسلمانوں کی کتابوں میں موجود ہے۔

یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ حکومت الہی نے سرمایہ داری کو ہر حیثیت اور ہر جہت سے حرام اور باطل کر دیا ہو سود کو فقط حرام کر کے تجارت و زراعت۔ صنعت و حرفت سے یا مال غنیمت سے جو کچھ مل جائے اس میں سے محض خمس زکوٰۃ کی معمولی رقمیں واجب الادا قرار دے کے بقیہ جو کچھ بھی ہو وہ سب تاجر و زمیندار و کاشتکار وغیرہ کا حق قرار دیا جاہیے اُس تاجر و زمیندار وغیرہ کی ضرورت سے کتنا ہی زائد کیوں نہ ہو البتہ ثواب اور جنت کے بڑے بڑے وعدے

کرکے یہ صرف کوشش کی کہ اوروں کو بھی دولتمندوں کے مال سے فائدہ پہونچا دے ۔ جہاں حکومت الٰہی نے ظلم و تعدی ۔ فتنہ و فساد ۔ خونریزی اور قتل و غارت کی سختی سے ممانعت کی وہاں دفاع ہر موقع پر ضروری قرار دیا اور خاص خاص حالتوں میں بڑے سے بڑا جہاد کرنے اور ممالک فتح کرکے الٰہی حکومت قائم کرنے کی اجازت ہی نہیں دی بلکہ واجب و لازم قرار دیا ۔ جس کے معنے یہی کیے جاسکتے ہیں کہ حکومت الٰہی ہر چیز کے اعتدال اور ہر امر میں ایسے سیدھے رستہ کا نام ہے جس میں نہ کوئی خامی ہو نہ کجی نہ کمی ممکن ہو نہ زیادتی ۔

اس صراط مستقیم اور معتدل رستہ کا ہر امر میں اور دنیا کے ہر معاملہ میں قائم رکھنا یا اسی کا کام تھا جس کی ذات عین عدل اور یا پھر وہ لوگ قائم رکھ سکتے تھے جن کی عصمت اُن کو خطا سے محفوظ کردے ۔ یا پھر تیسری صورت یہی ہوسکتی تھی اور ہے کہ حاکم اپنے تمام خیالات ۔ جذبات ۔ عقل آرائیوں کو بالائے طاق رکھ کے پوری کوشش و اجتہاد سے خدا و رسول کے احکام و سیرت کو دیکھے اور حرف بحرف اسی کے مطابق قدم اٹھائے ۔

رستہ سخت اور منزل بعید و دشوار گزار تھی اسی وجہ سے رسول مقبولؐ کے فوراً بعد بھی جو لوگ تخت حکومت پر بیٹھے وہ صحیح انداز حکومت نہ قائم رکھ سکے جس کا کھلا ہوا شاہد یہ ہے کہ دنیا کو علی کے سامنے سیرت شیخین کی شرط بڑھانا پڑی اس شرط کا اضافہ خود بتا رہا ہے کہ سیرت شیخین قرآن و سنت رسولؐ سے الگ کوئی چیز تھی جس کو ہم تو حکومت الٰہیہ میں اضافہ ہی سمجھتے ہیں اور علی بھی اس کو خارجی اور بیرونی چیز سمجھ کے منظور کرنے پر آمادہ نہ ہوئے ۔

اسی سیرت شیخین کی عظمت و وقار نے دل میں جگہ کرکے بعد کے آنے والوں کو مزید خود رائی پر تیار کیا جس نے حکومت الٰہی کو پچیس ہی برس میں خیالات عالم سے ایسا اجنبی کردیا کہ جب امیرالمومنین نے زمام حکومت سنبھالی اور دنیا کو پھر اُس رستہ پر لگانا چاہا جہاں رسول نے اپنی امت کو زندگی کی آخری گھڑیوں میں چھوڑا تھا تو ویسی ہی بلکہ اس سے زائد محنت و مشقت اور وقت صرف کرنے کی ضرورت پیش آئی جو رسول الٰہی نے صرف اور برداشت کیا تھا ۔

رسولؐ نے تئیس برس میں جو کام کیا تھا وہ امت نے پچیس برس میں بھلا دیا تھا لہذا ضرورت تھی کہ علی کو کم از کم تیس چالیس ہی برس اور ملتے تو امت کو اس رستہ پر لاسکتے جہاں رسول چھوڑ گئے تھے ۔

اس میں کون شبہ کرسکتا ہے کہ رسول کی تبلیغ کے قبل ہجرت ۱۳ سال کی تمام مشقت کا ثمر صرف سو ڈیڑھ سو مسلمانوں سے زائد نہ تھے البتہ بعد ہجرت کے دس سال کامیابی کے سال تھے ۔ یوں ہی علی کو بھی کچھ نہیں تو پندرہ ہی سال ایسے ملتے جس میں آپ محنت و مشقت کرتے تو شاید بعد کا زمانہ کامیابی کا زمانہ کہا جاسکتا مگر امت کی بدقسمتی کہ امیرالمومنین کو صرف پانچ ہی برس کا وقت ملا اور واقعہ ہے کہ ابتدائی پانچ سال میں رسول وہ بھی نہ کرسکتے تھے جو علی نے کیا

دنیا جانتی ہے کہ تخریب آسان ہے تعمیر مشکل۔ لہٰذا جو تخریب یا بقین نے پچیس سال کی سر توڑ کوشش میں کی تھی اس کو علی علیہ السلام محض پانچ سال کی کوشش میں کیونکر درست کر سکتے تھے خصوصاً جبکہ تخریبی کارروائیاں اب بھی بند نہیں ہوئی تھیں جس کے گواہ جمل صفین اور نہروان کے میدان ہیں۔

سچ تو یہ ہے کہ اگر دنیا رسولؐ کے بعد ہی مزاج اُمت خراب کرنے سے پہلے علی کے ہاتھ میں حکومت اسلامیہ کی باگ دے دیتی۔ تو کم از کم دنیا میں ایک دور ایسا اور گزر جاتا جب حکومت الٰہیہ کے مکمل نقشے دنیا کی نگاہ میں گزر جاتے اور یقیناً یہ مدت تیس سال سے کم نہ ہوتا۔ جس میں علی کو اس سے بہت زائد کام کرنے کا موقع ملتا جو رسول کر چکے تھے اور تمام عالم کے بادشاہوں کو سلطنت الٰہیہ کے وہ بے نظیر مرقع نظر آتے جو یہ سمجھانے میں کافی تھے کہ حقیقی سلطنت اور شاہی کیا ہو سکتی ہے۔

مگر افسوس صد ہزار افسوس کہ ایسا نہ ہوا جس کے نتیجے میں آج دنیا آنکھیں پھاڑ پھاڑ کے ڈھونڈھ رہی ہے کہ حکومت الٰہی کسے کہتے ہیں مگر نظر نہیں آتی ہاں کچھ بگڑی ہوئی صورتیں ملتی ہیں جن کا نام تو ہر زبان پر حکومت الٰہی ہے مگر

چہ نسبت خاک را با عالم پاک

قطعاتِ اکملؔ

(از جناب اکملؔ کراروی)

قوّت دستِ یداللہ دکھانے والے
ورثہ جعفرِ طیّار کے پانے والے
آفریں آفریں اے منتظمِ لشکرِ شاہ
واہ لاکھوں سے بہتّر کو لڑانے والے

(۲)

شانِ جعفر کی سب کو معجزہ دکھانے والے
حملۂ حیدرِ کرار دکھانے والے
ان کے ہاتھوں کے صدقے تری ہیبت پہ نثار
زینب دانتوں سے مشکیزہ کو لانے والے

اکمل کراروی

اقلیم وفا و شجاعت کا تاجدار

(از جناب تاج الافاضل مولانا خواجہ مختار احمد صاحب سہارنپوری مدظلہ)

ہموداابوالبشر سے وقوع سانحۂ عظمیٰ تک - اور اُس وقت سے عصر رواں تک بلاشبہ کربلا کی حسینی قلیل جماعت نے جو مثالیں قائم کیں اسکی نظیر نہیں ملتی - اور ان کی شان کمال کو دیکھکر یقین ہوتا ہے کہ صبح قیامت تک ان کی مثال نہ ملے گی - لاریب کربلا کی ہر صنف لاجواب تھی اور ہر اعتبار سے انتخاب تھی - کیا چھوٹے کیا بڑے کیا جوان کیا بوڑھے کیا مرد کیا عورتیں - ہر ایک نے اپنی اپنی خدمت اس حُسن و خوبی سے انجام دی جس کا بیان دشوار رہے ایک دوسرے کے دنیا میں ہزاروں بھائی ہیں مگر کیا کوئی بھائی ایسا بھی ہے جس میں ابوالفضل العباس روحی لہ الفدا کی خصوصیات کی نمایان جھلک پائی جاتی ہو -

وفا کے افسانے ہر دور میں دلچسپی کا سامان رہے - اور ہر بزم کی رونق اُن سے دوبالا ہوتی ہے اور ہر محفل کی شادابگی کا سبب قرار پاتے ہیں مگر ایسا افسانہ سننے چھیڑا جس کو ابوالفضل کے کردار کی مصوری کا شرف حاصل ہو - یون تو سقائے سکینہ کی ہر ادا عصمت نما تھی اور آب زر سے لکھنے کے قابل ہے مگر شہرۂ آفاق وفا کو اس سے زیادہ توجہ کی مستحق ہے - کیونکہ حضرت کے ہر فعل کی روح رواں یہی وفا ہے - الحق اس تشنہ کام نے چمنستان وفا کو آب حیات (اپنے خون سے) سینچ کر - بقار دوام کی فضا کے حوالہ کر دیا - جسمیں وہ سدا بہار پھول کھلے جن کی مہک کبھی ہلکی نہیں پڑ سکتی جن کی بھینی بھینی خوشبو مشام جان کو ہمیشہ تازہ رکھے گی - جن کی خوشنمائی کبھی رخصت نہیں ہو سکتی - جنکی تراوٹ کبھی خشکی سے دو چار نہ ہوگی - وفا کا وہ گلستان لگایا جہاں خزان کا گزر بھی نہیں ہو سکتا - تم بے آب رہ کر وفا کی پیاس بجھا گئے مولا -

بیشک زبان دل کی کلید بردار - اور ضمیر کی ترجمان ہے الفاظ ضرور ادائے مطلب کا ذریعہ ہیں - مگر باللہ العظیم جو خلوص و عقیدت مجھے بحمداللہ ابوالفضل کی سرکار میں ہے اسکے اظہار کیلئے باوجود طلاقت زبان کو قاصر پاتا ہوں اور باوجود وسعت الفاظ کو بے مایہ دیکھ رہا ہوں -

وہ جملے کہاں سے لاؤں جو وجہ اللہ کے نور نظر کی صورت کشی کما حقہ کر سکین - وہ فقرے کہاں ڈھونڈھ لاؤں جو قمر بنی ہاشم کی تصویر نمائی میں صرف ہو سکین - تصویر وہ بھی وفا کی - وفا وہ بھی علمدار حسینؑ کی - علمدار بھی وہ نامدار جو حسین کا فی الحقیقت بند کمر اور قوت بازو تھا - قمر بنی ہاشم کی وفائیں اور چار چاند لگ جاتے ہیں جب یہ دیکھا جاتا ہے کہ حضرت کسی طرح مجبور نہ تھے - ہر طرح کی مسرت و خوشی

کے دروازے آپ پر کھلے ہوئے تھے اور ہر طرح کی
عیش و راحت کے راستے ان پر کشادہ تھے۔ ان پر زمانہ
کی طرف سے امن و حیات کا سدّباب نہ ہوا تھا۔ دشمن
کی طرف سے امان کے پیام پے در پے آرہے تھے مگر اس
جاں باز نے یہ کہکر ٹھکرا دیا۔ "کہ جانِ ایماں (حسینؑ) بلاد
مصیبت میں گھری رہے اور میں راحت سے زندگی بسر کروں
یہ کسی طرح ممکن نہیں لعنت ہو اس امان اور امان دینے والے
پر" پھر حسین مظلوم کی طرف سے بھی غیر مشروط طور پر خود مختار
تھے۔ جس طرح چاہتے خوشی و خرمی کی زندگی بسر کرتے۔ مگر
وفا شعار نے ان سب چیزوں کو حقارت کی نظر سے دیکھ کر
حق و باطل دین و دنیا کا بین فرق نگاہ عالم کے سامنے
پیش کر دیا۔ پیارے بھائیوں کے داغ مفارقت سہنا آسان
ان کے خون میں ڈوبے ہوئے لاشے اٹھانا سہل، اپنے
بچوں کی یتیمی منظور، اپنی بیوی کی بیوگی و اسیری کچھ پرواہ
نہیں، اپنے لیے ہر مصیبت موجب انبساط، مگر حسینؑ کے
قدم چھوٹنا محال۔ تمنا ہے تو یہ کہ شدید ترین مصائب
کا دباؤ جتنا چاہے بڑھ جائے قابل برداشت ہے مگر حسینؑ
کی رفاقت ترک کرنا کسی طرح قابل تحمل نہیں۔ ہزار مرتبہ
موت آئے اور سخت سے سخت طریقہ سے آئے جھیل جائیں
مگر حسین سے جدائی کا تصور بھی ناممکن۔

اس شیر بیشۂ حیدری کی شجاعت میں کس کو شبہ یا انکار
کی گنجائش۔ بے شک عباس شہسوار تھے۔ سورما تھے
عالی ہمت۔ بلند حوصلہ تھے۔ شجاعت کا دودھ پیا تھا
کی گود میں کھیلے۔ شجاعت کے ساتھ میں پروان چڑھے
شجاعت کی فضا میں آنکھیں کھولیں اور شجاعت کے
ماحول میں پلے۔ جوانمردی اور دلیری ان کے گھر کی
کنیز تھی۔ وہ بلند و بالا قد۔ وہ سانچے کے ڈھلے ہوئے
جوڑ بند۔ وہ وجیہ اور پُر رعب بھرا ہوا چہرہ۔ قنات پر
کھچی ہوئی بھویں۔ وہ بازوؤں کی بل کھائی ہوئی مچھلیاں
وہ چوڑا چکلا توحید فضا سینہ۔ وہ قلعہ شکن سے
ملتی ہوئی کلائیاں۔ یہ سب بیکار تھے۔ انھیں اذن
جہاد ملنے دو پھر قدرت خدا کا تماشہ دیکھنا خشکی و
تری میں قیامت کا سماں ہوگا۔ صبح عاشور سے ظہر
تک انتظار رہا مگر اذن جہاد نہ ملا۔ ہاں چند مرتبہ
اصحاب کی کمک کو بھیجے گئے اور ہر مرتبہ بگڑی ہوئی
لڑائی کو سنوارا۔ یہ اسی شیر کا دم تھا کہ جب تک زندہ
رہا کوئی نابکار خیمہ حسینؑ کے قریب نہ آسکا۔ البتہ
جب جام شہادت نوش فرما لیا تو اشقیا کا قریب گزر رہا
(حتیٰ کہ یہ ملاعین خستہ حال، بیکس و ناچار حسینؑ،
شکستہ کمر حسینؑ! حسینؑ کی قوت کا اندازہ نہ کر سکے
اس لیے) خیمہ پر نیزہ مار کر کہتے تھے اے حسینؑ بھیجو کسی
کو ہمارے مقابلہ کے لیے۔ اسی لیے جہاں میں حضرت
ابوالفضل کو علمدار، سقائے حرم، قوت بازوئے حسین
کہتا ہوں ان کا ایک لقب اقبال حسین بھی سمجھتا ہوں
جو یقیناً حقائق سے مؤید ہے۔

الغرض جناب عباس کو جہاد کی اجازت ملی بھی

تو پانی لانے کا مشورہ دے کر۔ ایکا ریاتے ہی مشکیزہ اُٹھالیا اور دریا کی طرف روانہ ہوئے۔ جہاں کم از کم چار ہزار آہن پوش اسی ڈر سے اب تک جمع تھے۔ گھاٹ پر وہ تلوار چلائی جس نے کارزار حیدری یاد دلائی تا اینکہ اشقیا بھاگ گئے۔ اب دریا تھا اور ساقی کوثر کا لاڈلا ترائی تھی اور علی کا شیر۔ اب ساحل مراد تھا اور سفینہ وفا کا لنگر۔ پانی پر قبضہ تھا اور بلا شرکت غیرے جو چاہے کرتے۔ پیتے اور نہاتے مگر وہاں کچھ اور ہی عالم تھا صاف پانی پر نظر پڑی۔ جذبات میں جزر و مد پیدا ہو گیا حسینؑ کی تشنگی یاد آئی۔ آبدیدہ ہو کر نہر میں گھوڑا ڈالا۔ غور تو کیجیے۔ کارزار جنگ سے التہاب کی کیا کیفیت ہو گی۔ اور پھر دریا میں اتر کے جب پانی کی خنکی محسوس ہوئی ہو گی تو دل کیا کہتا ہو گا۔ جتنا چاہتے پانی پی لیتے۔ مگر نہیں اشقیا کی سنگدلی اور ابو تراب کے لال کی بیکسی دیکھ کر اندر ہی اندر لہو کے گھونٹ پی پی کر رہ گئے۔ غازی نے حق آگاہ غازی نے پورے اطمینان سے مشکیزہ بھرا۔ پانی پینا کیسا منھ پر چلو تک نہ ڈالا اور کٹی تک نہ کی اے وفا دیکھ کیا کسی اور نے بھی تیری آبرو یوں رکھی ہے۔ مشک کاندھے پر رکھ کر بالب خشک و چشم تر نہر سے نکلے اور خیام امام تشنہ کام کی طرف تیزی سے روانہ ہوئے بھاگی ہوئی فوج مزید کمک کے ساتھ سیلاب کی طرح اُمنڈ آئی اور اس مرکز وفا کو اپنے حلقہ میں لے لیا اس وقت

حضرت عجب کشمکش میں تھے۔ چہرہ کا اُتار چڑھاؤ بتا رہا ہے کہ اس وقت میرا مولا فکر کے بحر عمیق میں غوطہ زن تھا جبین کی چین بتاتی ہے کہ احساسات میں ایک خاص تلاطم برپا ہے دل کی بیقراری شہادت دیتی ہے کہ ولولوں کا خون ہو کے رہے گا۔ ہنگامۂ عریان کا مقتضا ہے کہ دل کھول کر خاندانی جوہر دکھاؤ اور خوب داد شجاعت دو۔ تلوار کا تقاضا ہے کہ مولا! ان خود سروں کو میرا لوہا منوا دو۔ خاندانی جرأت کہتی ہے ضرور ان سرکشوں کو نیچا دکھاؤ۔ ابو ترابی دلیری اُبھارتی ہے کیا دیر ہے۔ ابھی ابھی ان مغروروں کو خاک میں ملاؤ جوانی کا خون گرمانا ہی دیر کیا ہے۔ شیر کی اُبلی ہوئی آنکھیں دیکھیے۔ غضب ناک تیوریں دیکھیے، قہر آلود نگاہیں دیکھیے اور حالات کا اندازہ لگائیے۔ یہ بے شمار تقاضے ایک طرف مگر وفا کا تقاضا ایک طرف۔ عباسؑ کس خیال میں ہو دیکھو خبردار حملہ نہ کرنا اگر ان سے بھڑ گئے تو پانی پہنچنے میں دیر ہو جائے گی۔ دشمنوں کے وار رد کرتے ہوئے مدافعانہ طور پر خیمہ کی طرف بڑھے چلے چلو۔ ورنہ مشک خطرہ میں پڑ جائے گی۔ ارمانوں کا خون ہو جائے۔ ہو جائے مگر دامن وفا پر دھبا نہ لگنے پائے۔ بلا شبہ ایسے نازک وقت میں جذبات پر قابو رکھنا عباس علیہ السلام ہی کا کام تھا۔ اگر آغوش علیؑ کے پروردہ اور بزم حسینی کے شرفیاب نہ ہوتے تو ممکن نہ تھا کہ اس وقت قیامت خیز جنگ نہ ہو غضب ہے

کوئی شیرِ زیان کو ٹوکے اندر روکے پھر وہ سر جھکا لے
مگر وہ بھی وفا تھی جس نے مجاہد بے مثال کو اسیر مجبور کیا
یہی راز ہے کہ جری کی نہر کی طرف آمد اور وہاں سے
بازگشت میں بڑا فرق ہے جب دریا کی طرف آئے تھے
تو غضبناک شیر کی طرح اور ایسا شدید حملہ کیا تھا جس نے
نہر کے کناروں اور آس پاس کو دُور دُور تک دشمنون سے
صاف کر دیا تھا اسمیں مصلحت یہ تھی کہ مشک دریا سے آسانی
سے نہیں بھری جاتی کافی دیر لگتی ہے وہ بھی سوکھی مشک
غور کیجیے کن مشکلون سے چلو چلو علمدار نے کتنی مدت مین
مشک بھری ہوگی۔ اس لیے دشمنوں کا اتنی دور بھگا دینا
ضروری تھا مگر جب مشک لے کر چلے تو اب حملہ کا وقت
نہ تھا صرف مدافعت کرتے ہوئے بڑھے چلے جاتے ہیں
البتہ دلمین کہتے ہون گے "خدا اس مشک کو صحیح سلامت
خیمہ تک پہونچا دے پھر تم کو دیکھ لونگا۔ ایسے ہی خیالات
مین ڈوبے ہوئے جا رہے تھے کہ دفعتہً حکیم بن طفیل نے
درخت کی آڑ سے داہنے ہاتھ پر تلوار لگائی مگر واہ رے
پھرتیلے بازو اس جانباز فرزند ید اللہ کا داہنا ہاتھ ابھی
زمین تک آنے نہ پایا تھا کہ تلوار کا قبضہ بائیں ہاتھ میں تھا
اور جھوم جھوم کر فرما رہے تھے واللہ ان قطعتم یمینی انی
احامی ابداً عن دینی۔ ظالمو! تم نے میرا داہنا ہاتھ کاٹ
ڈالا تو کیا ہوا۔ خدا کی قسم جب تک میرے دم میں دم ہے
اپنے دین کی حفاظت کرتا رہوں گا۔ یہ کہتے ہوئے اور آگے
بڑھے اسی اثنا مین زید بن ورقا جہنی جہنمی نے آپ کے بائیں
ہاتھ پر تلوار لگائی وہ ہاتھ کٹ کے زمین پر آ رہا۔ ناظرین
گویا بند وفا کے دونون ہاتھ کٹ چکے ہین مگر بخدا اسے علم نہ ل
ابھی تک ارادہ میں فرق نہ تھا ہراس کا نام تک نہ تھا وہی
کوششیں برابر جاری تھیں اہل کین دست بریدہ مجاہد پر
قریب سے آ آ کر وار کرتے تھے۔ مگر عباس تھے کہ رکابون سے
ہٹاتے ہوئے بڑھے چلے جاتے تھے۔ اور ایسے استقلال کے
ساتھ جو احاطہ بیان سے باہر ہے ایک آنکھ پر تیر آ کر لگا
بے بسی اتنی کہ پیوست تیر کو نکال بھی نہیں سکتے مگر تیور وہی
پہلے۔ گو ہزاروں تلوارین چمک رہی ہین مگر ابرو پر ایک
بل بھی نہیں پڑتا۔ گو اضطراب کے ہزار سامان موجود تھے
مگر اطمینان میں فرق نہ تھا مطمئن تھے اور ایسے مطمئن کہ امام
کو آواز نہیں دیتے۔ جان حزین گرداب مصیبت میں پھنس
چکی ہے کشتی حیات دریا کے کنارے طوفانی موجون میں گھر گئی
ہے مگر مدد کے لیے نہین پکارتے۔ یہاں ایک سوال پیدا ہوتا
ہے وہ یہ کہ جو ایسا بڑ جگر ہو، جو ایسا شیر دل ہو، جو
ایسا دلبر ہو، جو ایسا باہنر ہو، جو ایسا فنون سپہ گری سے
واقف ہو جیسے حضرت ابوالفضل العباسؑ تھے۔ پھر دشمنون
کو ان کے مقابلہ مین ایسا موقع کیونکر ہاتھ آیا کہ حضرت کے
شانے قلم کر دیے (یہ نکتہ مدتون اہل ایمان کو آٹھ آٹھ آنسو
رلائے گا اور تا حیات اپنے اس پیشوا پر فخر کرائے گا) بلاشک
ہرگز ہرگز دشمن کا حضرت عباس علیہ السلام پر یہ دسترس نہ
ہوتا اگر عباس دلاور کو اس وقت کچھ بھی اپنے بچاؤ کی فکر
ہوتی۔ اور دل کھول کے جنگ کرنے کا موقع ہوتا۔ کیا کرین
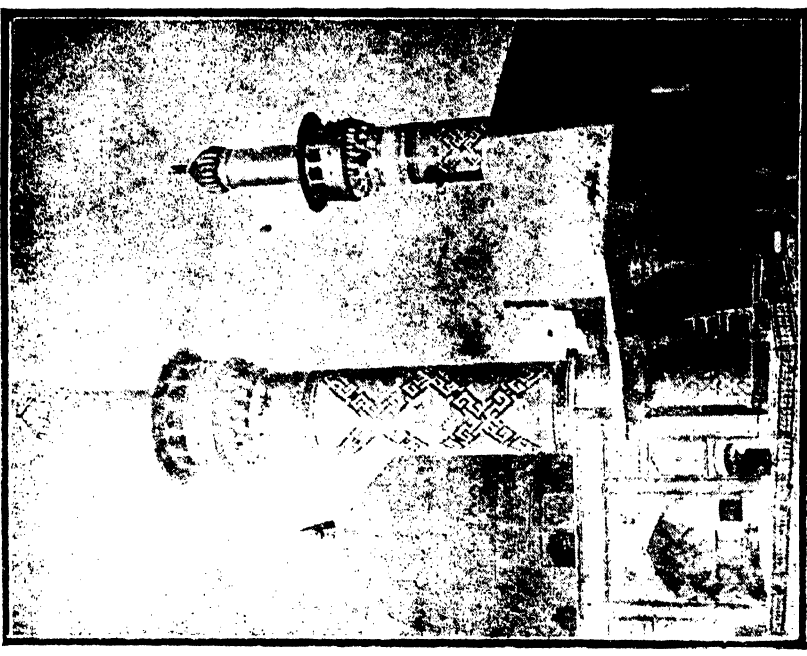
(بقیہ مضمون صفحہ ۲۲ پر ملاحظہ ہو)

نظارہ ابوالفضل العباس نمبر

فوجیں بھی ہٹیں دریا بھی ملا تھمے بھی ہوا تربت بھی بنی
عباس یہ تیری منزل تھی پانی نہ پیا اور بات رہی
(فضل)
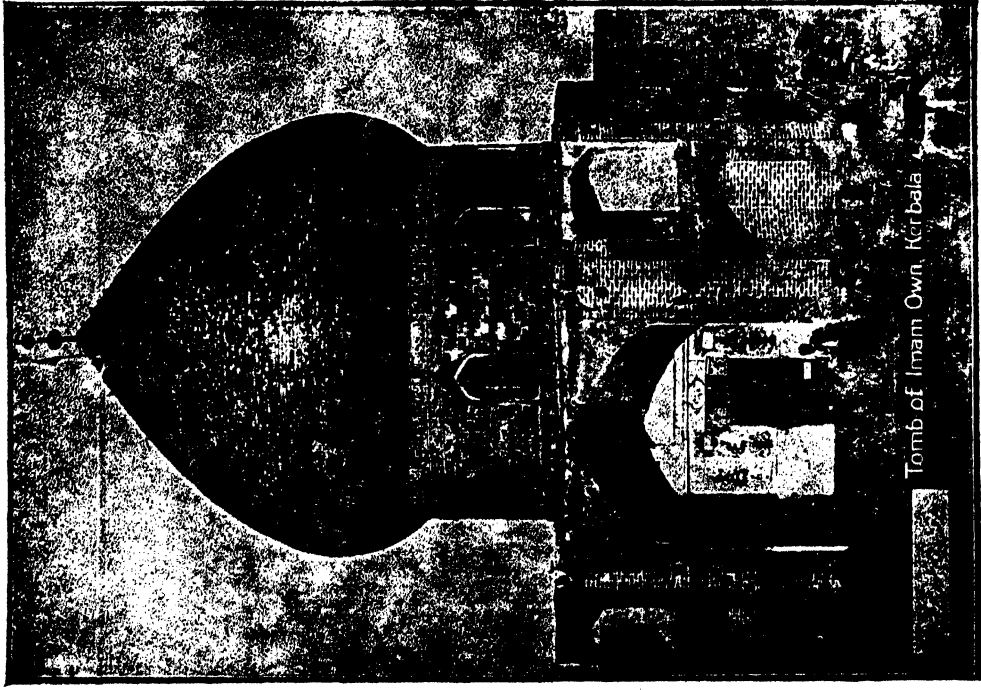
یہ عون کا روضہ ہے کہ ایمان کا سہارا
یہ بھی ہے محمد کی نگاہوں کا ستارا (فضل)

نظارہ ابوالفضل العباس نمبر
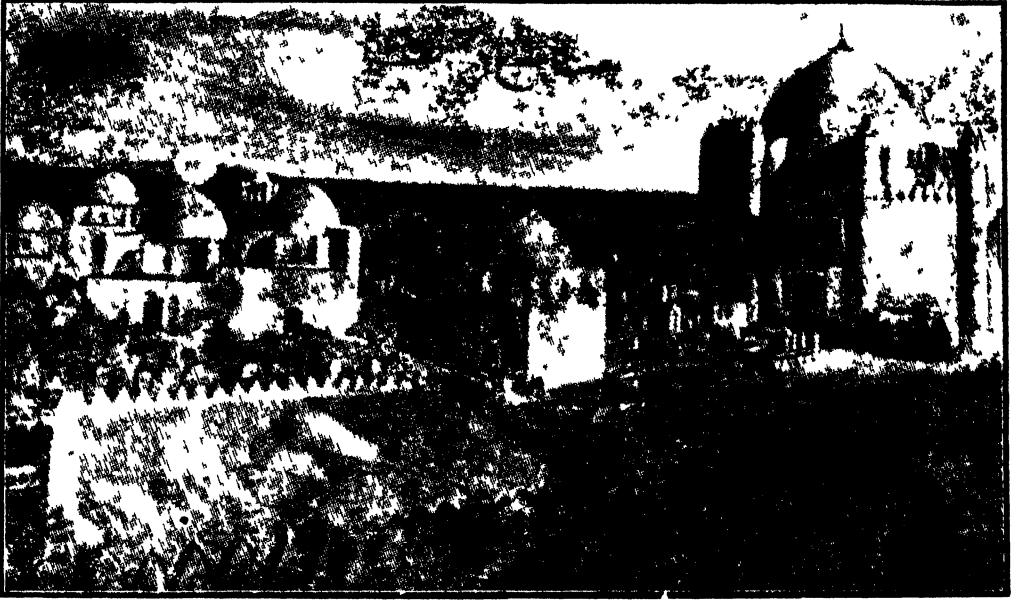
سرکار کہف العلماء شمس العلماء مولانا سید ابن حسن صاحب مجتہد مدظلہ العالی

از جناب مولانا سید کلب عابد صاحب خلف سرکار عمدۃ العلماء مدظلہ

اس عالم انقلاب میں معلوم نہیں کتنے دعویداران اصلاح آئے اور امواج مخالفت کے تھپیڑے کھا کر بیٹھ گئے۔ لاتعداد انجمنیں نئے نئے مقاصد لے کر عالم وجود میں آئیں اور اس طرح ہمچو اب فنا ہوگئیں کہ صفحہ تاریخ پر بھی ان کا نشان نہیں بے شمار تحریکیں حباب دریا کی طرح سطح وجود پر نمودار ہوئیں اور گرداب عدم اس طرح انکو اپنے آغوش میں لے کر تہ نشین ہوگیا کہ دنیاء معلومات آج ان سے تہی دامن ہے۔

کتنی ہی مفید تحریک ہو اور کتنا ہی اعلیٰ مقصد مگر اس وقت تک ساحل کامیابی سے ہمکنار نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کی طرف دعوت دینے والا مستقل مزاج' زمانے کی سختیوں اور مخالفت کے ماحول میں زندگی گزارنے کی طاقت نہ رکھتا ہو۔

ابتداء آفرینش سے بے شمار تعمیری مقاصد لیکر نئی نئی تحریکیں وجود میں آئیں جنکی نمود وبود استقلال معمار کی مناسبت سے رہی۔ انسان فطرتاً ہر چیز کی مخالفت کرتا ہے چاہے وہ کتنی ہی مفید اور معقول ہو اگر وہ چیز اس کی عادات و اطوار کے مخالف ہے۔

اسی لئے انبیاءؑ و مرسلین کو تکلیفیں برداشت کرنا پڑیں۔ بڑے بڑے مصلحین کو زحمات و مصائب کا سامنا کرنا پڑا اور پھر بھی ان میں سے بہت ہی کم حضرات اپنے مقاصد میں خاطر خواہ کامیاب ہو سکے۔

مذہب اسلام کی طرف دعوت دینے والا نبی امی ایسی قوم میں مبعوث برسالت ہوا تھا جس کی جہالت ضد ہٹ دھرمی شہرہ آفاق تھی۔ جن کے لئے معمولی معمولی باتوں پر عزیزوں بھائیوں یہاں تک کہ بیٹوں کا قتل کر دینا کوئی چیز ہی نہ تھا۔ جن کی مفروضہ غیرت ان کو اپنی اولاد کے زندہ درگور کر دینے پر آمادہ کر دیتی تھی اور اس بدترین جرم شقاوت قلبی کی خوفناک ترین مثال ہے ان کی فطری محبت پدری بھی نہ روک سکتی تھی۔ جہالت ضد اور ہٹ دھرمی جزیرۃ العرب میں لنگر انداز تھی۔

عرب کے باشندے اپنی حیوانی خصلتوں کو انتہائی

شرافت و شجاعت اور حمیت کی بات سمجھتے تھے۔ اس جاہل قوم میں مسلمانوں کے رسولؐ مبعوث برسالت ہوئے یہ نبی صرف تعبد غیر اللہ سے منع کرتا تھا بلکہ اپنی قوم کی تمام عادات جاہلیت کی بھی کھلم کھلا مخالفت کرتا تھا یہ بات آسانی سے سمجھی جا سکتی ہے کہ ایک جاہل اور مغلوب الغضب قوم اس وقت کتنے ظلم و جور کر سکتی ہے جبکہ کوئی بے بس مجبور اور ان کے گروہ میں گویا ہر شخص۔ اس قوم کے عزیز از جان رواسم و عادات کے ملیامیٹ کر دینے کا عزم بالجزم لے کر اٹھے۔ تمام ایسے ہی مظالم رسولؐ خدا پر توڑے گئے۔ اور عربوں نے وہی کیا جو ان کو کرنا چاہیئے تھا مگر یہ رسولؐ خدا کا استقلال ہی تھا جس نے اسلام کے سامنے سرکش عربوں کا سر جھکوا دیا اور لات و ہبل کو ماننے والے جاہل خدا اور وحدہٗ لاشریک کے سامنے سر عبودیت جھکانے لگے۔

عرب کے تیرہ و تار جزیرہ میں اسلام کا نور پھیلا اور یوں پھیلا کہ فاران کی چوٹیوں سے بلند ہونے والی نوری شعاؤں نے نہ صرف سرزمین عرب ہی کو منور کیا بلکہ تمام عالم جگمگا اٹھا۔

جہالت کی سیاہیوں میں گھرے ہوئے ملک کے ذرے اہل عالم کے لئے مہر درخشاں بن گئے۔

دین اسلام نے صرف رسولؐ کے استقلال کی بدولت ایسی قوت و طاقت حاصل کی کہ آخر سرکش عربوں نے حلقہ بگوش اسلام ہونا شروع کیا۔ ابر رحمت کے مسلسل چھینٹوں نے بظاہر بغض و کینہ کی بھڑکتی ہوئی آگ کو خاموش کر دیا۔ ہر طرف اخوت و مساوات اور باہمدگر ہمدردی کا جذبہ موجزن نظر آنے لگا۔

لیکن یہ صورت حال رسولؐ اللہ کے دم تک باقی رہ سکی مگر ادھر تو رسولؐ کی آنکھ بند ہوئی اور ادھر عادات جاہلیت کی وہ آگ جو بظاہر بجھ چکی تھی لیکن جس کی چنگاریاں اب بھی دلوں میں پوشیدہ موجود تھیں پھر سے شعلہ ور ہوگئی۔ حقدار نیابت خاندان رسالت کو پرانے بغض و کینوں کی وجہ سے ان کے حق سے محروم کر دیا گیا۔ ذاتی دوستیوں اور انفرادی مصلحتوں کی وجہ سے حکومت دوسروں تک پہونچ گئی۔ حقدار حکومت سے طلب بیعت کی جانے لگی تاکہ مخالفین حکومت کی وہ چھوٹی سی ٹکڑی جو کانٹے کی طرح کھٹک رہی تھی ختم کی جا سکے۔ اور نیابت رسولؐ پر بیجا قبضہ کو یہ کہہ کر حق بجانب ثابت کیا جا سکے کہ جب خود داماد رسولؐ نے بیعت کر لی تو اب کسی کو کیا حق ہے۔

یہ تو ممکن تھا کہ علی ابن ابی طالبؑ افتراق بین المسلمین اور اسلام کی کمزوری کا خیال کرتے ہوئے طلب حق کے لئے شمشیر بکف نہ ہوں۔

مگر یہ ناممکن تھا کہ بیعت کر کے حکومت جور کے مظالم اور خلاف اسلام کاموں کی ذمہ داری اپنے سر لے لیں۔

لہذا بنی ہاشم پر پھر سے مظالم ہونا شروع ہوئے اور اہلِ بیتؑ کو اپنے عزم و استقلال کے ظاہر کرنے کا پھر موقع ہاتھ آ گیا۔ چنانچہ خاندانِ رسالت والے رسولؐ ہی کی طرح اپنی جگہ سے نہ ہٹے، باطل کے سامنے نہ جھکے، مصائب کے سیلاب آئے اور ان عزم و ضبط کی چٹانوں سے ٹکرا ٹکرا کے پلٹ گئے مگر ان کو ان کی جگہ سے جنبش نہ دے سکے۔ اس استقلال اور ظلم و جور پر صبر کا نتیجہ یہ نکلا کہ اہلِ بیتؑ کے ماننے والوں کی تعداد دن دونی اور رات چوگنی ہونے لگی۔

یہاں تک کہ وہی حکومت جس کے لئے علیؑ کے گلے میں رسی باندھی گئی تھی، علیؑ کے دروازے پر جھکا سا نظر آئی اور وہی لوگ جو امام کے شدید ترین مخالف تھے قبول خلافت کے لئے خوش آمد کرتے نظر آئے۔

امیرالمومنینؑ خود فرماتے ہیں اہلِ مدینہ خلیفہ ثالث کے بعد جوق در جوق یوں قبول خلافت کی استدعا لے کر میرے پاس آ رہے تھے کہ میرے کپڑے پھٹ گئے اور قریب تھا کہ حسنینؑ کچل جاتے۔

مگر امیرالمومنینؑ کی خلافت ظاہری کا زمانہ اسی طرح گزر گیا جس طرح شدید گرمی میں جب دھوپ کی شدت برداشت سے باہر ہو گئی ہو۔ ابرِ رحمت پانی کا تیز جھالا برسا کر، زمین کے سیراب ہونے اور جلتے ہوئے بدنوں کے جن کی محسوس کرنے سے پہلے گزر جائے۔

اور پھر کڑا کے کی دھوپ پہلے سے بھی شدت کے ساتھ نکل آئی۔ چنانچہ امیرالمومنینؑ کے بعد بنی اُمیہ کے قبضے میں سلطنت آئی۔ اور ظلم و بدعات کا آفتاب اپنی پوری شدت اور تیزی سے نکل آیا۔ بنی اُمیہ کا سلطنت پر قبضہ ہوا دشمنانِ اہلِ بیتؑ اور منافقوں نے قوت حاصل کی۔ سینہ کے پردوں میں چھپے ہوئے کینہ بالاعلان زبانوں پر آ گئے، بغض و حسد کی دبی ہوئی آگ بنی ہاشم کو کمزور اور بے یار و مددگار دیکھ کر شدت سے بھڑک اُٹھی۔ ان کے سب سے معزز فرد پر بالاعلان تبرا ہونے لگا۔ دوستیٔ اہلبیتؑ اور مدحِ علیؑ کے جرم میں اصحاب و تابعین کا قتل عام جائز ہو گیا۔ زبانیں کھنچنے لگیں، لوگ شہر بدر کئے جانے لگے اور سولیاں دی جانے لگیں۔ بے شمار محبانِ اہلِ بیتؑ نے جامِ زہر سے شربتِ شہادت نوش فرمایا۔ سلطنت پر دوسروں کا قبضہ تھا۔ خدم و حشم دوسری ڈیوڑھیوں پر تھا، مخالفین کے پاس سیم و زر قوت و طاقت کی فراوانی تھی۔

اہلِ بیتؑ کے دروازوں پر خاک اُڑ رہی تھی جیبیں دولت سے خالی تھیں ظاہری قوت نایاب تھی۔ مگر سچے اور مستقل مزاج جانثاروں کو ان کے قدموں کے چھوڑ دینے پر کوئی چیز آمادہ نہ کر سکی۔

حکومت کو ہر طرح کی قوت و اقتدار حاصل تھا بظاہر اس کو ان چند فاقہ کش بے یار و مددگار افراد سے

کوئی سرد کارش ہونا چاہیئے تھا۔ مگر ان کی قوت استقلال اور حقانیت ہی تھی کہ ہمیشہ حکومت کی طرف سے ان کو جھکانے کی کوشش ہوتی رہی اور ہر سعی ان کے استقلال کو مضبوط سے مضبوط تر بناتی گئی۔

سلطنتوں کی طرف سے اہلبیتؑ اور اہلبیتؑ کے طرفداروں پر ظلم پر ظلم توڑے جاتے تھے مگر یہ کوہ استقلال اپنی جگہ سے جنبش جانتے ہی نہ تھے۔ جتنا جتنا ان کو ستایا جاتا تھا ان کی قوت استقلال اور نکھرتی جاتی تھی۔

گویا کہ وہ جور و ستم جو سلطنت کی طرف سے ان پر کئے جاتے ایسی تلوار تھے جس سے حکومت خود اپنے ہی رگ گلو کو کاٹ رہی تھی۔

یہاں تک کہ معاویہ نے تخت سلطنت کو اپنے عیاش اور جذباتی بیٹے یزید کے لئے خالی کر دی۔ بھلا یزید کا سا عیاش اور مغلوب الغضب عظیم الشان سلطنت پر قابض ہونے کے بعد کہاں کسی کی مخالفت برداشت کر سکتا ہے۔ اس نے عزم مصمم کر لیا کہ اگر خاندان رسالتؐ کے نمائندہ حسینؑ ابن علیؑ حکومت کے سامنے سر اطاعت نہ خم کریں تو اس مخالف سلطنت خاندان کو ہمیشہ کے لئے ملیامیٹ کر دیا جائے۔ چنانچہ اس ارادے کو بروئے کار لانے کی تیاریاں زور و شور سے کی گئیں۔ عام بھرتی کا اعلان ہو گیا۔ فوج میں ظالم اور دشمنان اہلبیتؑ افسر مقرر کئے گئے۔ جن کے متعلق خاندان اہلبیتؑ سے دوستی کا شبہ بھی تھا اس کو قید خانوں میں ٹھونس دیا گیا۔ ادھر امامؑ نے بھی ظلم و جور سے آخری مقابلے کی ٹھان کر تیاریاں شروع کیں لیکن امام کی تیاریاں یزید کی کوششوں کے بالکل ضد تھیں۔

حسینؑ نے سب سے پہلے وطن کو خیرباد کہا۔ لوگوں نے روکا مگر رسولؐ کے فرزند کو ان کے ارادے سے کون ہٹا سکتا تھا۔ اہل و عیال کو ساتھ لیا۔ تنگ نظر خیر خواہوں نے مخالفت کی۔ امامؑ نے پرواہ نہ کی۔ خانۂ خدا کو چھوڑا۔ اختلاف کیا گیا مگر حسینؑ نے اعتنا نہ کی۔ یزید نے افواج میں زیادتی کے لئے سر کا پسینہ ایڑی سے بہایا۔ اور حسینؑ نے ساتھیوں کے کم کرنے کی انتہائی کوشش کی۔ یزید کا مقصد تھا کہ ظلم و جور کی کوئی صورت باقی نہ رہنے پائے لہذا اس نے اس کی تیاری کی اور امام کا ارادہ قوت کا مقابلہ قوت سے کرنے کا نہ تھا تاکہ وطن میں رہتے اہل و عیال کی حفاظت کا انتظام کرتے۔ ساتھیوں کے بڑھانے کی کوشش کرتے۔ بلکہ حسینؑ ظلم کا مقابلہ مظلومی قوت کا مقابلہ ضعف کثرت کا مقابلہ قلت سے کرنا چاہتے تھے لہذا ویسے ہی انتظام کئے۔ حسینؑ عزم و استقلال اور مقصد پر مر مٹنے کی انتہائی بلند مثال قائم کرنا چاہتے تھے۔

لہذا امامؑ نے ہمراہیوں کے بڑھانے کی فکر نہ کی مگر اس کی کوشش ضرور کی کہ ساتھ والوں میں سے ہر ایک پہاڑ کا سا ارادہ رکھتا ہو۔

ظاہر نظر میں حسینی فوج کے سپاہی چاہے کتنے ہی ضعیف و کمزور کیوں نہ ہوں مگر ان کی رگوں میں عزم و استقلال کا خون موجزن تھا۔

چنانچہ کربلا کے میدان میں صبر و استعداد اور مظلومی و صبر کی ٹکر انتہائی قوت سے ہوئی۔ اب فیصلہ آپ کے ہاتھ ہے چاہے زیر خنجر بھی مسکرانے والے کو فاتح ماننے یا ظاہری فتح حاصل کرنے کے بعد بھی پشیمان ہونے والے کو فاتح جانئے۔

کربلا کی جنگ میں شریک ہونے والے سپاہی خون اور گوشت کے بنے ہوئے انسان نہ تھے بلکہ ان کی رگ و پے میں عزم و استقلال اور قوت ارادی کی روح موجزن تھی ان کے جسموں کی ساخت وفاداری اور اطاعت کے جوہر سے ہوئی تھی۔

یزیدی فوج کے مظالم کسی اور اعتبار سے کتنے ہی انسانیت سوز خونخوارانہ اور بہیمانہ کیوں نہ ہوں۔ لیکن ان میں ایک یہ بھی پہلو مضمر تھا کہ جتنے جتنے مظالم بڑھتے جاتے تھے اتنی ہی اتنی مجاہدین کربلا کے عزم و استقلال اور قوت ارادی پر جلا ہوتی جاتی تھی۔

شہ رگ گردن کٹوا کر ابدی آرام کی نیند سو جانا بہادر اور سرفروش مجاہد کے لئے معمولی چیز سہی لیکن تین دن کی بے آبی زخموں کی زیادتی کثیر مقدار میں خون کا بہ جانا شدت گرما میں عرب کے ریگستان کی دھوپ میں پیاس کی شدت برداشت کرنا ہر وقت نزع روح کی تکلیف سے کسی طرح کم نہ تھا۔

پیاسے بچوں اور بیکس عورتوں کی گریہ و زاری کا منظر ناقابل برداشت تھا اور بادی النظر میں ظاہری فتح سے بے آسی پھر یہ بھی خیال کہ ممکن ہے دشمن کے طبل و بوق کا شور ہماری آوازوں کو بھی میدان کربلا ہی میں دبا دے۔ حکومت کے سیم و زر کی چمک اہل علم کی نظر میں خیرگی پیدا کر کے ہمارے کارناموں پر نظر کرنے سے روک دے۔ اور مخالفین کی طرف سے زر و جواہر عزت و جاہ کی لالچ فرا بتداریوں دوستیوں کے واسطے۔ ان سب موانع میں ثابت قدم رہنا حسینؑ ہی کے اصحاب کا کام تھا۔ بلکہ یہ استقلال و عزم کا معجزہ تھا کہ ان تمام ناموافق حالات کے باوجود حسینی فوج کا ایک سپاہی بھی دشمن سے جا کر نہ ملا اور دشمن فوج کا ایک بہت ہی نمایاں اور افسر فوج حسینی میں شامل ہو گیا۔

کیا کہنا حسینؑ کے جاں نثار ساتھیوں یقیناً نہ ایسے اصحاب نبیؐ کو ملے نہ علیؑ کو اور نہ حسینؑ کے بڑے بھائی حسنؑ کو۔ تمہاری گردنیں کاٹ کر تمہارے لاشوں کو روند کر دشمن نے اطمینان کی سانس لی اور وہ یہ سمجھا کہ تم فنا ہو گئے حالانکہ فوج والو نے تمہاری فانی زندگی کو فنا کر کے زندہ جاوید بنا دیا۔ تم نے خود ہی حیات جاوید حاصل نہیں کی بلکہ دوسروں کو بھی زندہ کر گئے۔ تمہارے عزم و استقلال نے اجڑتے ہوئے باغ اسلام کو سرسبز و شاداب کر دیا۔ لہذا جب تک ایک مسلمان بھی کرۂ ارض پر باقی ہے تم زندہ ہو۔ تمہارا مقصد زندہ ہے

تمہاری قربانی زندہ ہے۔ یزید نے تمہارے گھروں کو
تاراج کردیا تاکہ زمانہ میں تمہارا کوئی نشان نہ رہے
مگر آج عالم انسانیت کا سینہ تمہارا گھر ہے۔ ہر دلیں
تمہاری یاد ہے۔ فوج والوں نے چاہا تھا کہ تمہارا کوئی
نام لیوا صفحہ ارض پر باقی نہ رہے مگر اب ہر انسان
کی زبان پر تمہارا نام ہے۔

معاویہ کے فرزند نے چاہا تھا کہ تمہارے رسولؐ
کی نسل کو دنیا سے فنا کردے تاکہ اس کی سلطنت میں
رخنہ اندازی کرنے والی کوئی فرد کائنات میں باقی
نہ رہے، مگر کیا کہنا تمہارے عزم راسخ اور قوت
ارادی کا کہ اسی کی حکومت ملیامیٹ کردی اور حسینؑ کا
راج یوں قائم ہے کہ جسموں پر نہیں بلکہ انسانیت کے
دل پر حسینؑ کی حکومت ہے اور اسی وقت تک قائم
رہے گی جب تک صحیح معنوں میں کوئی ایک انسان بھی
باقی ہے۔"

بقیہ مضمون صفحہ ۶ ملاحظہ ہو

وہاں تو نظر خیمے پر جمی ہوئی تھی طبیعت مشک کی حفاظت
مین مصروف تھی۔ دل تشنہ لب اطفال خوردسال کی چاہ
مین ڈوبا ہوا تھا۔ خیال مضطرب بچپن مین کھویا ہوا تھا
اور ان کی العطش العطش کی آواز کانون مین گونج رہی تھی
اپنے بچاؤ کی فکر کسے تھی۔ عباس نامدار پہ ایک خاص عالم
محویت چھایا ہوا تھا جس نے دشمن کے وار کو کامیاب بنا دیا
اگر یہ بات نہ ہوتی تو اس نہنگ بحر شجاعت کا یون شہید ہونا
ناممکن تھا۔ اے وفا پہ مٹنے والے دیکھ وفا تجھ پہ قربان
ہو رہی ہے۔ تم نے اپنے ہاتھ کٹوا کے وفا کی دستگیری کی۔
رہتی دنیا تک وفا تمہارا ماتم کرے گی تم نے دنیا کو دکھا دیا
کہ اے دنیا دیکھ لے اور خوب غور سے اچھی طرح دیکھ لے۔
ہاتھ کٹنے کے خوف سے دامن شبیر کا چھوٹنا کیسا۔ ہاتھ کٹنے کے
بعد بھی عباس سے حسین کا علم اور سکینہ کا مشکیزہ نہ چھوٹ سکا
کہان سے لاؤن وہ زبان۔ اور کیونکر پیدا کرون وہ الفاظ
اور کس طرح بناؤن وہ دماغ جو ایسے وفا کیش وفادار،
وفا شعار، وفا پرور، وفا نواز، کا حق ذکر ادا ہو سکے اے
شمع امامت کے شکستہ پر۔ پروانہ ہمارا سلام نیاز قبول فرما
دنیا صفتون پر ناز کرتی ہے۔ مگر اے تاجدار وفا اوصاف
تم پہ ناز کرتے رہیں گے۔

حضرت سجادؑ

(از جناب وفا ملک پوری)

اہل حق غم میں بھی دلشاد رہا کرتے ہیں
ہو کے برباد بھی آباد رہا کرتے ہیں
عمل سیدِ سجادؑ یہ کہتا ہے کہ ہم
قید میں رہ کے بھی آزاد رہا کرتے ہیں

علیٌّ کُلَّ شئٍ قدیراً علیؑ ہے

(نوشتہ عالی جناب مولوی عینی شاہ صاحب نظامی دام مجدہٗ از حیدرآباد دکن)

وہ نورِ علیٰ نور نورِ علی ہے — جبینِ نبوت سے جو منجلی ہے

غلامی بھی اُس در کی مجھ کو ملی ہے — فرشتہ بھی جس در کا ایک اُردلی ہے

سپہرِ امامت کا خورشیدِ خاور — امامِ مشارق و مغارب علیؑ ہے

علیؑ کنفسی علیؑ کرد حی — جو جانِ نبیؐ ہے وہ جانِ علیؑ ہے

علیؑ مع الحق والحق معہ — علیؑ با خدا و خدا با علیؑ ہے

قسیمِ جناں و جہنم ہے یعنے — علیٰ کُلِّ شئٍ قدیراً علیؑ ہے

تولّائے حیدر تولّائے حق ہے — جو اِن کا ولی ہے خدا کا ولی ہے

اک عظمت کی دنیا ہے نامِ علیؑ بھی — بڑے سے بڑا اسمِ اعظم علیؑ ہے

امامت بھی ان کی ولایت بھی ان کی — اسی گھر سے نکلی اسی سے چلی ہے

خدا کو جو ڈھونڈا محمدؐ کو پایا — محمدؐ کو دیکھا تو دیکھا علیؑ ہے

عیاں لافتیٰ سے یہی ہو رہا ہے — کہ اس شان کا ایک بندہ علیؑ ہے

علیؑ و نبیؐ نورِ واحد ہیں یعنے — علی ہے محمدؐ محمدؐ علیؑ ہے

وجوبِ تمسک ہے جن دو کا ہم پر — علیؑ و قرآن ہے قرآن و علیؑ ہے

علیؑ مع الحق مکان القرآنِ — ثنائے قرآن یعنے علیؑ ہے

عیاں نورِ حق بھی ہے نورِ نبیؐ بھی — عجب کرم اللہ وجہہ علیؑ ہے

زمین آسماں میں ابھی گونجتی ہے — صدائے علیٰ کُلِّ غالب علیؑ ہے

کسی کا بھی دین اور آئین کچھ ہو — ہمارا تو دین اور ایمان علیؑ ہے

مجھے اپنی قسمت پہ ہے نازِ عینیؔ
کہ مجھ کو علی کی غلامی ملی ہے

علیؑ کی آنکھ کا تارا

از جناب سید افتخار حسین صاحب کامل کراری، الہ آباد

رہِ الفت میں گو دشمن زمانہ ہو گیا سارا — وفا پر مٹنے والا جو تھا وہ ہمت نہیں ہارا

دیا ہے یوں وفا کا امتحاں اہلِ محبت نے — دلوں پر چل گئیں چھریاں کسی نے دم نہیں مارا

وفا والے یہی کہتے ہوئے آئے ہیں مقتل میں — رضائے دوست کی خاطر نہ جاں پیاری نہ سر پیارا

نہ خنجر رُخِ اہلِ وفا یوں ہی چمکتا ہے — کہ جیسے جگمگا کر ڈوبتا ہے صبح کا تارا

سُنا ہے سنگدل قاتل کے بھی آنسو نکل آئے — شہیدانِ وفا کی بیکسی کا کرکے نظارا

مزارِ کشتگانِ بیکسی ہے آجتک باقی — نہیں ملتا نشان مدفنِ اسکندر و دارا

صدا دیتی تھی فطرت کچھ بھی ہو یہ مٹ نہیں سکتے — بنایا جاتا تھا جب بیکسوں کے خون کا گارا

کرے انکار کرتا ہے اگر وہ خونِ ناحق سے — قیامت میں تو ہو سکتا نہیں قاتل کو چھٹکارا

صدا دیتے ہیں ابتک کربلائے عشق کے ذرّے — قمر بُرجِ وفا کا ہے علیؑ کی آنکھ کا تارا

ثنا عباسؑ نازی کی ہے خامہ تھرتھراتا ہے — مدد یا فاطمہؑ کیجئے نہیں ہے مدح کا یارا

تو ہی تھا کربلا میں وہ اسد اللہ کا پیارا — کہ ابتک بجتا ہے جس کی وفاداری کا نقارا

شجاعت کے دھنی تیری یہ اک ادنیٰ شجاعت تھی — جو یکتا تھا ہزاروں میں اُسی کو ٹوک کر مارا

ترائی کے نگہباں چھوڑ کر تیغ و سپر بھاگے — علیؑ کے شیر تو نے آکے جب میداں میں للکارا

جو تیرا حکم ہو ائے تاجدارِ قلب ماہیت — وہ منظر ہو کہ حیراں سب ہوں جس کا کرکے نظارا

دھواں بنکر اڑیں شبنم کے قطرے عارضِ گل سے — نگینے کی طرح سے آکے ٹھہرے آگ پر پارا

لبِ دریا ہو پہنچ کر کس طرح سیراب تو ہوتا — ترے گھوڑے نے جب پانی پہ اپنا منہ نہیں مارا

وہ بچہ کیوں نہ بڑھکر نازشِ کونین ہو جائے — کہ جس بچے کی خاطر فاطمہؑ کا دل تھا گوارا

ولا کامل نہ کیونکر اس کی واجب ہو زمانے پر
جو ہو شبیرؑ و شبرؑ کی طرح اللہ کو پیارا

بہ کوہ از المش لعلِ خونچکاں گوہر

(نتیجہ فکر بلند عالیجناب خاں بہادر ڈپٹی سید احمد علی صاحب علیم بالقابہ)

ببیں عیانست ز انجم بر آسماں گوہر
مسلسل است تو گوئی بہ کہکشاں گوہر

ز چیرہ دستی غواص تو ئی بطن صاف
دو چار روز فقط ہست میہماں گوہر

صدف آفرنیب بہ ظرف صغیر دُرِ یتیم
ضیا کا نہ مہمان و میزباں گوہر

صدف اگرچہ بحمد خدا است لب بستہ
ولے بہ بطن ثنا خوانست بے زباں گوہر

طرازِ بازوئے خوباں اگر ہلال بود
شُدست زیب دہ گوش مہوشاں گوہر

ضیائے دینِ گلزار اگر بود نرگس
بہائے گنج فراوانسب در جہاں گوہر

بہار گلشنِ فرخار گر بود نوگل
متاعِ قلزم زخار بے گماں گوہر

فروغ گنبد خضراست از زحل بیگاہ
فگار تودۂ غیر است ہر زماں گوہر

بہ باغ و راغ اگر مشک بار ہست سمن
بہ تخت و تاج سلیمانست خونفشاں گوہر

بہ فیض حضرتِ عباسؑ درة التاج است
وگرنہ بود یکے قطرۂ چکاں گوہر

ز برج مہر و وفا او چہ مہر جاں افروز
ز درج صدق و صفا او چہ دلستاں گوہر

زہے ز گلستنِ اُمُّ البنینؑ گلِ رعنا
خہے ز کنز یدُ اللہ شائگاں گوہر

ز چرخ سطوت شاہانہ ناموز نیّر
ز بحر ہمت مردانہ بانشاں گوہر

ز آب رحمت او غنچہ ہست دُرِ ثمیں
ز مہر او بہ بہا خار گلستاں گوہر

ز تیغ او بہ مصافست رونما جوہر
بہ بزم صاف ز الطاف او عیاں گوہر

دم وغا زند از تیغ شعلہ بار آتش
گہ عطا دہد از لطف بے کراں گوہر

فقط بہ دیدۂ بیناست جوہرش روشن
کہ فے المثل نہ شناسد جز شہاں گوہر

بہ وادیِ پدرش سنگریزہ دُرِ نجف
ز خام روضۂ آں فخر دودماں گوہر

دو چشمِ جوہری آوردہ آب مرداریہ
ز لطف ایں دُرِ مکنوں نہ تاب آں گوہر

چو شد فشکار ز غا ضیغمِ ثریاں عباسؑ — بہ چرخ اسد شدہ گریاں - بہ یم تپاں گوہر
بہ باغ از غمِ عباس لالہ دارد داغ — بہ کوہ از المش لعل خونچکاں گوہر
فتادہ روئے زمیں آہ پرضیا علمش — بخاک گفتہ آلودہ ضو فشاں گوہر
بریدہ دست تپیدہ چو ماہی بے آب — شدہ ز فرط الم در صدف نہاں گوہر
علیم نظم تو در چشمِ دشمناں خار را — ولے بہ دیدۂ حق بین دوستاں گوہر

چہ نغز سلک لآلیست نظمِ تو احمد
کہ حرف حرف از اں نزد قدرداں گوہر

یادِ شہِ کربلا کے دن آئے

از جناب رائے سدھ ناتھ بلی صاحب فراقی رئیس یاباد

قریب ہجرئ ماہِ عزا کے دن آئے — رُلا کے یادِ شہِ کربلا کے دن آئے
جو آئے خط طلبی کے حسینؑ نے سمجھا — کہ میری وعدہ وفائی قضا کے دن آئے
نہیں وہ دورِ عدالت وہ صاحبِ انصاف — ستم شعاروں کی بدعت جفا کے دن آئے
چلے وطن سے جو شاہِ امم اجل بولی — لحد میں گریۂ خیر النسا کے دن آئے
اُڑی یہ کہتی ہوئی بوئے گیسوئے اکبرؑ — کہ قدرِ تبت و چین و ختا کے دن آئے
ہلال ماہ محرم سے صاف ظاہر ہے — جلال تیغ شہِ لا فتا کے دن آئے
یہ رو کے ماتم اصغرؑ میں کہتی تھی بانوؑ — اجل نے چھین لیا جب غذا کے دن آئے
سفر وطن سے ہوا جب شہِ ہدایت کو — غبار و گرد کے آندھی ہوا کے دن آئے
مجھے تو شہ کے کرم سے نہیں فراقی غم — اگرچہ غم کے بڑھاپے کو پا کے دن آئے

رباعی

کہتے تھے یہ شبیرؑ علی اکبرؑ سے — ہوتے ہو جدا فاطمہؑ کے دلبر سے
دشوار ہے نانا ﷺ سے یہ آنکھیں ملنا — خوشبو میں یہ گیسو ہیں سوا عنبر سے

"ضحیۃ الطف"

(جناب عماد العلماء مولانا سید محمد رضی صاحب مجتہد العصر منبیرۂ سرکار نجم العلماء طاب ثراہ وصدر مرکز تبلیغ اسلام لکھنؤ کی وہ معرکہ آرا عربی تقریر جو موصوف نے واقعات کربلا کے متعلق لکھنؤ کے ایک علمی جلسہ میں ارشاد فرمائی تھی اسکا اردو خلاصہ بھی خود جناب عماد العلماء ہی نے تحریر فرمایا ہے۔ "فضل")

الحمد لله وکفی وسلام علی عباده الذین اصطفی - ایها الاخوان - ان عاشر المحرم یوم لا تستطیع القوی الدراکة العالمیة ان تنساه ما بقی فرد من افراد الانسان فانه یوم ظهرت فیه جواهر وشاح الانسانیة الفخیمة فی کربلاء علی شط الفرات وسیدنا الحسین قد ضحی فی سبیل الحق والدیانة ضحیة عظیمة تبکی علیها عیون اهل الدنیا ابد الابد بالدموع الحمر - فانه احضر الشبان والشیوخ والاطفال من اقربائه واصحابه علی ذالك المذبح المقدس ورضی باسر حریمه وبالجوع والعطش ثلثة ایام وماء الفرات یلوح فی عینیه کانه بطون الحیات - لکنه ما استسلم لحکومة الجور لعدما استوقته بزخارفها وحقرها تحقیرا شدیدا ابلغ به للغایة

الحسین وکل واحد من ابطاله وشجعانه قد اعطی رقبته لسیوف عساکر الکفر والالحاد وما انقادوا لسورة الباطل وما طرحوا سلاحهم لدیه فجعلوا سیادة الامارة العظمی خاضعة لدیهم فی غایة المهانة ورغموا انفها للابد -

زماننا قد غطی العالم سواد الثروة والامارة واسدل الحرص علی محیا قمر الحق المسفر استار اللیالی المدلهمة والتی تباً لق الصروح الممردة دزبرجها بساطة بیت الله الذی بناه خلیله ابراهیم وغلبت نغمات الرقاصات والوصائف العید علی اصوات المسبحین فی کعبة الشوق ومحاریب التبتل -

فحط الحسین فی ذلك الوقت رکب العصمة ورحال الانسانیة الکبری ونزل باطفاله ونسائه علی منظر الفرات لکشف بیاض الصبح الانسانی الذی بزغ من فواده وشرق من قطرات دمه علی بسیط نواظر العالم وسقی عروق شجرة الدیانة بدماء شبابه الذین قد ربّاهم فی حجره المقدس واخذ منه الله محلا فی فواد اهل الارض مالا یمکن ان یحصل لاحد من الحضارة الانسانیة -

الشاعر الكبير الاوربائي "شكسبير" كان يقول على مقبرة القيصر فى ان رادة الانسان تبقى بعد موته و خيره يدفن غالبا مع عظامه ويصير سعهار ميا"

ليت الشاعر يلمح ببصره الى ضحايا الحسين الذهبية و محاسن افعاله الكريمة فانها بقيت مخلدة وما غيرتها كرات الانقلاب وانها حية الى الان ورياح الفناء قد اعو رت عليها شرقا و غربا انه قد اوقد مصباحا من الديانة و انار نبراسا من البسالة والشهامة الذى يتلألأ ابدا فى قلب كل من يسكن فى هذه الكرة الغبراء لان تضحيته كان خالصا لوجه الحق وعواطفه صادقة و سيرته مطهرة من كل عيب و نقص ۔

و لو نظرنا باعين النقد والبصيرة لوجدنا ان تاريخ العالم قد دوّن من حوادث كثيرة ارقدت فيها سيوف القهرمان العصمة على فرش الجور لكن المسلمات ان اهمية لحوادث عند وقوعها لا تبقى بعده بل ينقص شيئا فشيئا الى ان تندرس آثارها فى قوى الادراك وتحضر اخير فى بضعة سطور تاريخية وعلى هذا المنوال يمحو كل زمان ما مضى منه دائما الا ضحية الطف فانها معجزة غير فانية وآية كبيرة من آيات الله العظمى لا تمحوها عواصف الزمان و لا تزيلها من مقامها الشامخ زعازع السيرة الانقلابية ۔

ولا ريب ان كر الليالى والايام ينقص آثار المصيبة و يجفف العبرات لكن الشهادة الحسينية تتوسع آثارها مع مرور الدهر وتعاقب الاحيان و لم يبق فرد من افراد النوع الانسانى لا يوجد فى قلبه عظمة شهيدنا الاكبر فكلما تصورنا تلك الكارثة الكبرى فاضت العين واهرقت الدمع واخذت سوارى اللوع والوجد ان تظلم على افق الفؤاد ۔

الاقوام المتمدنة قد اخترعت الصور المتحركة ۔ احياءً لذكرى حروب العالم و حوادثه لابقاء الانفعال المتعلق بوقوعها وايقاظ الروائع النائمة تحت استارها لكنه لحديث وقائع ما دوّن تاريخها باهراق دماء الديانة الانسانية وما كان اساسها محكما بحيث يصدم صخور جبال الدهر ۔

والشهادة الحسينية كانت مجموعة الضحايا التى دونت من الدم الانسانى فكيف يمكن للانسان ان ينساها فى اى زمان ۔ لقد جمعها الانسان الكامل الذى احضر تمام متاعه للنهب والغارة فى سبيل اصلاح العالم وكتب لتعليم الاخلاق الاسلامية كتابا من دمه الشريف الذى

لا یمکن لاحد ان یقرءہ و لا یصیر علی اوج الاشرفیة ۔

ارجو اننا ما نسینا قول هومیس اذ قال ان عواطف هیومر قد تخلو من التاثر النفسی ولیته یدری ان تاثر قلب الحسین لم یفن الی الا وانه لنور تنور منه عیون الانسانیة ابدا۔

سیدنا الحسین ما اراد فتح الارض والبحار والبلاد والنفوس بل کان یرید فتحا لا یحصل من السیوف البواتر والرماح الذوابل ولا من الحصون والجبال الراسخة الذی سیوفه مقانع النساء ودم الطفل المعصوم ورماحه بناح الاطفال وسلاسل الضعیف المهزول۔

ولا ریب انه ما کان عطشانا الی ماء الفرات بل الی فتح کان یلمع فی قطرات الدم الذی قد اشتاق الی خروجه من قلبه الصبور وعروق اصحابه الاخیار

الی ان تم الانتظار وقربت الساعة وانشق فواد ام الانسانیة واظلم جو لطف لسواد الظلم والخیانة وتطایرت الشرار من نیران الرماح وارعبت قعاقع الحدید قلوب النساء والصبیان وتصادم الصبر والمنیة الموت فی افئدة المجاهدین وقربت ساعة اختیار الهاشمیین واشتاق الورید الی لقاء حد الصارم القرضاب والاکباد الی سنة السمر الذابلات۔ اذا بکوکب الفتح قد تلألأ علی افق الدیانة وابیضت دیاجی لیلة الحق۔ فتحارب الحق والباطل واخذ الانسان الکامل یحضر امتعته الثمینه واحدا بعد واحد علی مذبح الدین الاسلامی الحنیف وخرج بنفسه الشامخة اخیر المحاربة الباطل فرقد فی جنب الفرات الی الابد وسکن معه زلازل الارض وتلاطم امواج الماء والهواء وسکت نباح الاصبیة والنساء فلما ضم الحسین عینیه فتح الانسان عیونه بحیث لا یرقد بعد ذلک ابدا صلی الله علیك یا سیدنا ۔ یا لیتنا کنا معك فنفوز فوزا عظیما۔

کربلا کی قربانی

(خلاصہ)

دسویں محرم دنیائے انسانیت کی وہ نہ بھولنے والی تاریخ ہے جس میں انسانوں کا ایک مقدس قافلہ کربلا کے ریگستان میں لوٹا گیا تھا۔ محمد عربی کے نواسہ حسینؑ نے اسی تاریخ حق و دیانت کے راستے پر ایک ایسی قربانی پیش کی جس پر دنیا کی ہر قوم ہمیشہ خون کے آنسو رویا کرے گی حسینؑ نے اس مقدس قربانگاہ پر اپنے بچے تک قربان کردیئے، عورتوں کا دشمنوں کے ہاتھوں قید میں بننا گوارا کرلیا تین دن تک بہتے ہوئے دریا، بل کھاتی ہوئی

موجوں کے سامنے پیاسا رہنا برداشت کیا اور اس طرح دُنیاوی جاہ و عزت اور حکومت کی رنگین دلفریبیوں کو حقارت آمیز مسکراہٹ کے ساتھ ہمیشہ کے لئے ٹھکرا دیا حسینؑ اور اُن کے بہادر ساتھیوں میں سے ہر ایک نے صحرا کی ریگ کے بھڑکتے ہوئے تنوروں میں گردنیں کٹوا دیں لیکن یزیدی لشکر کے سامنے ہتھیار نہیں ڈالے اور دمشق کی ڈکٹیٹرشپ کو اپنے قدموں کے سامنے سرنگوں بنا دیا۔ جب دُنیا پر سرمایہ داری کی گھنگھور گھٹائیں چھائی ہوئی تھیں اور حرص و ہوس نے حق کے چمکتے ہوئے سورج پر شب تار کے پردے ڈال دیے تھے، شاہی محل اور اُس کی زیبائشوں سے خلیلؑ کے بنائے ہوئے گھر کی سادگی کو بُھلایا جا رہا تھا عیش و عشرت کی محفلوں کے دلربا نغموں سے عبادت گاہوں کی مقدس آوازوں کو دبایا جا رہا تھا اُس وقت حسینؑ نے شہادت کے سپیدۂ سحری کی تلاش میں نہر فرات کے کنارے اپنے بیگناہ قافلے کا پڑاؤ ڈالا اور اپنی گود کے پالوں کو حق و دیانت کے پاک جذبات پر قربان کر کے انسانوں کے دلوں پر ایک ایسی بلند جگہ حاصل کر لی جو کسی دوسرے کو نہیں مل سکتی۔

یورپ کے مشہور شاعر شیکسپیر نے قیصر کی قبر پر کہا تھا کہ "انسان جو بُرائی کرتا ہے وہ اُس کے مرنے کے بعد باقی رہ جاتی ہے لیکن اُس کی نیکیاں اکثر اُس کی ہڈیوں کے ساتھ دفن ہو جاتی ہیں۔"

مگر حسینؑ کی نیکیاں زندہ ہیں، اُن کے ایثار و قربانی کو زمانے کی نیرنگیاں فراموش نہیں کر سکیں انہوں نے بہادری و حق پرستی کا ایک ایسا چراغ جلایا ہے جو اس زمین پر بسنے والے ہر ذی شعور کے دل میں قیامت تک جگمگایا کرے گا۔

انسانیت کی تاریخ نے اس وقت تک لاکھوں ایسے واقعات پیش کئے جن میں غریبوں پر ظلم ہوئے مظلوموں کو ستایا گیا لیکن واقعات کی جو اہمیت اُن کے وقوع کے وقت ہوا کرتی ہے اُس کے بعد باقی نہیں رہتی بلکہ رفتہ رفتہ گھٹتی ہے اور آخر دماغوں کی سطح سے نکل کر تاریخ کے چند اوراق اور معدود سطروں میں گھر کر رہ جاتی ہے۔ حوادث عالم کی یاد تازہ رکھنے کے لئے انسانوں نے بہت سے طریقے ایجاد کئے تاکہ اُن کو حافظہ میں ہمیشہ دُہرایا جا سکے اور جذبات پر وہی اثرات پیدا کئے جا سکیں جو اُن کے وقوع کے وقت ہو سکتے تھے۔ لیکن یہ اُن انقلابات کا ذکر ہے جن کی تاریخ انسانیت کا لہو بہا کر تیار نہیں کی گئی تھی، جن کی بُنیادیں اسقدر مضبوط نہ تھیں کہ آنے والے انقلابات سے ٹکر لے سکیں۔

مگر واقعہ کربلا اُس انسان کامل کی قربانیوں کا مجموعہ ہے جس نے انسانوں کی اصلاح کے لئے اپنا

کل گھر بار لٹا دیا اور جو کچھ قربان کیا جا سکتا تھا سب کر دیا اور باوجودیکہ زمانہ کی مدت غم کو کم کر دیتی ہے لیکن حسینؑ کی مظلومیت زمانے کے امتداد کے ساتھ دُنیا پر سیلاب کی طرح اُمنڈ رہی ہے جہاں کربلا کا ذکر آتا ہے سُننے والوں کی آنکھوں سے آنسو برسنے لگتے ہیں اور غم کی گھٹا دل پر چھانے لگتی ہے۔

حسینؑ کی غیورانہ زندگی میں دُنیا والوں کے لئے لاکھوں سبق ہیں، جابر و سفاک حکومتوں کے سر غرور و تکبر کو ٹھکرانے کے لئے حسینؑ کی خودداری ایک روشن مثال ہے۔

ہیوگو رس نے کہا تھا کہ "کبھی ہیومر کے جذبات بھی پُر کیف نہیں رہتے" لیکن حسینؑ کی ہولناک سرگذشت ایک ایسا نور ہے جس سے انسانیت کی آنکھیں ہمیشہ روشن رہیں گی اور اس کو کبھی فنا نہ ہوگی۔

انسانیت کے اس سپہ سالار اعظم کو کسی وقت بھی دُنیاوی حکومت لینا منظور نہ تھی، اُن کا مقصد ہرگز مادی فتوحات نہ تھیں وہ ایک ایسی فتح حاصل کرنا چاہتے تھے جو تلواروں اور خنجروں سے نہیں مل سکتی جس کو پہاڑی قلعوں اور سنگلاخ مورچوں سے حاصل نہیں کیا جا سکتا۔ وہ یقیناً ایک ایسی کامل فتح حاصل کر رہے تھے جس کی تشکیل مظلوموں کے مقدس خون سے ہونے والی تھی، جس کے اسلحے بیگناہ عورتوں کی چادریں اور معصوم بچوں کی فریادیں تھیں، جس فتح کے حاصل کرنے کے لئے چھ مہینے کے بچہ کو تیر سہ شعبہ کے سپرد کرنا بھی ضروری تھا۔

حسینؑ کربلا کے قریب محفوظ پہاڑیوں میں مورچہ بندی کر سکتے تھے اور وہاں پہونچکر آپ کی مدد کے لئے بڑی سے بڑی فوج اکٹھا ہو سکتی تھی۔ لیکن اس کو حسینؑ کیونکر منظور کرتے اسلئے کہ اُن کا مقصد ہی دوسرا تھا۔ وہ زمین کی فتح کے پیاسے نہ تھے، وہ اُس فتح کے خواہاں تھے جو پانی کے قطروں میں نہیں ملتی بلکہ اُس مقدس خون کی بوندوں میں چمک رہی تھی جو حسینؑ کے دل سے نکلنے کے لئے بے چین تھا۔

وہ وقت آگیا جب ظلم کے بادل گھرنے لگے، برچھیوں کے شرارے فضا میں اُڑنے لگے، اسلحوں کی جھنکاریں معصوم کلیجے دہلانے لگیں، سرمایہ روزگار بہادروں کی تمنائے جنگ صبر کے تحمل سے اُلجھنے لگی، نہر فرات کی موجیں سانپوں کے شکم کی طرح چمک رہی تھیں۔ یہی وہ انقلابی گھڑیاں تھیں جب حق کے سورج کی کرن پھوٹی اور حسرت و یاس کی اندھیری رات کی سحر ہونے لگی۔

حسینؑ نے خدا کی راہ پر سب کچھ قربان کر دیا اور آخر اپنی گردن بھی پیش کر کے ہمیشہ کے لئے چپ ہو رہے۔ نہر فرات کا تلاطم تھم گیا، کربلا کے محشرستان میں خاموشی چھا گئی، بیگناہ پیاسے بچوں کی فریادوں میں

سکون پیدا ہونے لگا عصمت و بیگناہی کا قافلہ لٹ چکا، قربانگاہ نینوا پر مقدس قربانیاں چڑھادی گئیں، ہاشمی تمناؤں کے چراغ بجھ گئے، اخلاق و مروت کی جھولی کے انمول گوہر، سپہر انسانیت کے روشن ستارے چہروں پر کاکلیں بکھرائے ہوئے، کوفہ و دمشق کی بازاروں میں پھرائے جانے لگے اور ساتھ ہی حسینؑ کی فتح کے آثار اُبھرنے لگے، جس جس منزل پران شہیدانِ راہ وفا کے سروں اور مظلوم قیدیوں کا گذر ہوا وہاں کے لوگوں میں فطرتاً یزیدیت کے خلاف نہ مٹنے والا ہیجان پیدا ہوگیا۔ اور ابھی حسینؑ کے بے گناہ قیدی دربار شاہی تک بھی نہ پہونچنے پائے تھے کہ یزید کی نیتوں کا پردہ فاش ہوگیا حسینؑ کی یہ غیر فانی فتح تھی کہ انھوں نے ہمیشہ کے لئے یزید کا نام حقارت و نفرت کا مجسمہ بنادیا اور رہتی دُنیا تک جب جب کسی ظالم کا ظلم حد سے بڑھے گا تو اُس کو یزید ہی کہکر پکارا جائے گا۔

انفاسِ قدسی

(جناب قدسی جائسی مدظلہ)

ذبح سجدے میں جو پیاسا سرورِ عالم ہوا
خلق کا کیا ذکر ہے، خالق شریکِ غم ہوا

خاک پر رہنے سے لاشہ، مرتبہ کیا کم ہوا
فدیۂ راہ خدا کا عرش پر ماتم ہوا

آسماں سے خون برسا دیتک کانپی زمیں
شاہ کے مرتے ہی عالم کا عجب عالم ہوا

حسرت اکبرؑ پہ صدقے سارے ارمانِ شباب
کیا جوانی تھی کہ جس کا عرش پر ماتم ہوا

رسیوں سے باندھے اہلِ حرم باندھے گئے
بعد شہ بھی سلسلہ بیداد کا کب کم ہوا

بیڑیاں پہنے چلا جب راہِ غربت میں امام
ہر قدم پر خانۂ زنجیر میں ماتم ہوا

خون سے لکھا ہوا ہے صفحۂ تاریخ پر
کربلا کے واقعے کا کس کو کتنا غم ہوا

شاہ کے غم میں بہم ٹکرائے اجرامِ فلک
بامِ گردوں پر عجب انداز سے ماتم ہوا

بوسہ گاہِ مصطفےٰؐ پر چل گئی جب تیغِ ظلم
کچھ بتا اے کربلا عالم کا کیا عالم ہوا

یادِ شہ میں آنکھ سے قدسی کی جو آنسو گرا
وہ غریبِ نینوا کے زخم کا مرہم ہوا

سقائے حرم

(از جناب یاور حسین صاحب یاور رائے پوری)

اے روحِ وفا جوہرِ اسلام کے پیکر
سقائے حرم لختِ دلِ ساقیٔ کوثر

سرخی غضبِ حق کی تری شانِ جلالت
عنوانِ قیامت ترے بپھرے ہوئے تیور

اسلام تہوّر ہے ثباتِ عزم کا تیرے
ایمانِ شجاعت تری شمشیر کا جوہر

اللہ رے ملتا ہوا اندازِ جلالت
دھوکا ہوا تجھ پر اسد اللہ کا اکثر

تاریخ میں دیتا ہے تجھے دادِ شجاعت
میدان سے بھاگا ہوا کفار کا لشکر

بڑھ کر لئے رحمت نے کٹے ہاتھوں کے بوسے
جب تھام لیا کشتیٔ اسلام کا لنگر

سمجھا تو وہی بات کا ہوگا نہ ہوا ہے
آقا جو کہا شہ کو کہا پھر نہ برادر

راس آئے تجھے خواب ترائی کی فضا میں
آرام سے سوائے اسدِ ضیغمِ داور

اے زندگیٔ قوم کے رہبر ترے صدقے
ہیں زندۂ جاوید تری موت کے تیور

تیرے ہی سرِ دست بریدہ کی قسم ہے
ایثار کی منزل ترا ہر نقشِ قدم ہے

درسِ زرّیں

(نوشتۂ عالیجناب عمادالملۃ مولانا سید مجتبیٰ صاحب مجتہد سرپرست دائرۃ الاشاعت و مدرسہ عالیہ جعفریہ نوگانواں)

بغرض اکتساب ثواب نظارہ ابوالفضل العباس نمبر کی خدمت اور فضل صاحب کی تعمیل فرمائش کے لئے اس نایابی فراغ اور مصروفیت دماغ کے عالم میں میرے پاس کچھ نہیں سوائے اپنی کتاب "تعلیم الشہداؑ" کے ایک باب کے جس کا اقتباس نذر بارگاہ حضرت عباسؑ ہے ع شاہاں چہ عجب گر بنوازند گدا را - یہ ملحوظ رہے کہ میری تقریر و تحریر کا موضوع تہذیب و صلاح ہوتا ہے اول اپنی اور اس کے بعد دوسروں کی ۔

اب تمام خدمات و تبلیغات کی عنان ادعلیؑ مرتضیٰ کی طرف مڑی جن میں جناب عباسؑ بھی شریک ہو تمام اصول مذکورہ کی تعلیمات میں جانیں گنوانا شروع کیا اور اس قانون پر بھی چلنا شروع کیا جسکو یہاں صلۂ رحم سے تعبیر کیا جا رہا ہے اگر یہ اندازہ کرنا ہے کہ صلۂ رحم کے ماتحت بھائی کو بھائی کا کس طرح ساتھ دینا اور کیونکر کام آنا چاہئے تو کربلا کے بھائیوں کے حالات دیکھئے تو سب ہی یکتا و فرد تھے مگر میری نظر انتخاب فی الحال جناب عباسؑ پر ہے جناب علمدار کی وفا و مروت ۔ ہمت و شجاعت ۔ سید الشہداؑ کے ساتھ محبت و الفت سے دنیا پورے طور پر روشناس ہے کوئی ضرورت نہیں کہ میں یہ افسانے دہراؤں ۔ اگرچہ سید الشہداؑ کے حقیقی بھائی نہ تھے مگر بچپنے سے اس طرح والہ و شیدائے قدوم حسینؑ تھے اور اس طرح مظلوم کربلا کے لئے سرفروشیاں اور جاں نثاریاں کیں کہ اگر اب بھی ہم کسی مقام پر حقیقی و غیر حقیقی کا سوال اٹھائیں تو نہایت نابینائی ہے ۔ اس لئے کہ حضرت عباسؑ اس کی بیخکنی کر چکے ہیں غرض اس کی تفصیل سال گذشتہ کے ابوالفضل نمبر میں کی جا چکی ہے ۔ جناب عباسؑ کی تعلیمات و خدمات کو خواہ اس سوال کی بیخکنی پر محمول کیجئے یا مواساۃ و مواخاۃ سمجھئے یا احترام بزرگ یا معرفت امام و محبت اہلبیت یا حمایت حق یا صلۂ رحم جیسا کہ تعلیمات جناب قاسمؑ میں بیان ہو چکا ۔

کیا کہوں کہ آپ کیا تھے شمع امامت کا پروانہ کہوں یا فوج خدا کا غازی سپاہی ۔ احکام خدا کا مبلغ کہوں یا جاں نثار اہلبیت ۔ سقائے سکینہ کہوں یا علمدار فوج حسینی ۔ عباسؑ علمدار کہکر یاد کروں یا ثانی جعفر طیارؑ ۔ بہادر ایسے کہ عباسؑ نام حسینؑ ابن اسد کہ قمر بنی ہاشم لقب ۔ صاحب فضل و کرم اس درجہ کہ کنیت ابوالفضل بِأَبِي أَنْتَ وَأُمِّي يَا مَوْلَايَ يَا أَبَا الْفَضْلِ الْعَبَّاس صلۂ رحم کے سلسلہ میں آپ کی جاں نثاریاں ملاحظہ ہوں اور سبق حاصل کیا جائے ۔ ایک پُر عبرت و سرمایۂ نصیحت وفاداری یہ تھی کہ آپ نے

اس خیال سے کہ کہیں میرے بعد بھائیوں کی سرفروشی
میں کوئی مانع پیدا ہو جائے انھیں مجروح و زخمی دیکھ کر
صدمے اُٹھائے اپنے صبر و تحمل میں اضافہ کیا ان کو
لڑنے بھیجدیا اور سب کے بعد خود خدمت حسین میں آئے
اور عرض کیا کہ مولا میرا سینہ تنگی کرتا ہے طاقت صبر
نہیں زندگی سے سیر ہوں مصمم ارادہ ہے کہ ان اشقیا سے
ان کے مظالم کا انتقام لوں آپ مجھے اجازت دیجئے سید الشہدا
رونے لگے فرمایا کہ اے عباس تم میرے لشکر کے علمدار ہو تمہارے
بعد میرا رفیق کون ہے جناب عباسؑ نے اصرار کیا تو فرمایا
اچھا پہلے ان لوگوں سے بچوں کے لئے پانی کا سوال کرو۔
عباسؑ باوفا نے تلوار لی گھوڑے پر سوار ہوئے مقابل
صفوف کفار آئے اسقدر وعظ و نصیحت کی کہ کوئی دقیقہ
اُٹھا نہ رکھا کیا کہنا آپ کی فصاحت اور پُر زور و پُر مغز
نصیحت کا آپ کا پانی سے زائد رواں اور تلوار سے
زائد تیز کلام مسلسل جاری تھا مگر ان سنگدلوں پر کچھ بھی
اثر نہ ہوا مجبوراً واپس آئے سید الشہدا سے اس قساوت قلبی
کا ذکر کیا پیاسے بچوں کو جب یہ معلوم ہوا تو زار زار روئے
پانی پانی چلائے حضرت عباس سے نہ دیکھا گیا مشک بہ دوش
شمشیر بکف گھوڑے کو نہر کی جانب بڑھایا اگرچہ جنگ
کتاب کا بالذات مقصد نہیں لیکن اگر کسی کی جنگ بھی
سراسر نصیحت و سبق آموز ہو تو اسے نظر انداز کر دینا کتاب
میں نقص پیدا کر سکتا ہے اور پھر جنگ بھی عباس جیسے
شجاع و بہادر کی جنگ کہ یہاں پر انسان یہ بھول کر

کہ داخل موضوع ہے یا خارج موضوع سراپا محویت و توجہ
بن جاتا ہے لہذا میں آپ کی نبرد آزمائی سے کچھ فائدہ
اُٹھانا چاہتا ہوں اول تو یہ ملحوظ رہے کہ دراصل یہ جنگ
نہ تھی بلکہ جستجوئے آب تھی اور اس میں دفاع اس لئے
کہ جنگ کا تو آپ کو اس ذات کی طرف سے اذن ہی
نہ تھا جس کی وجہ سے آپ دنیا کو مواساۃ و مواخاۃ معرفت
و محبت اہلبیت اور صلۂ رحم وغیرہ کا سبق دے رہے تھے
تب بھی وہ معرکہ برپا ہوا جس کے سننے سے جسم پر سنسنی
پڑ جاتی ہے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں علم کی حفاظت جدا
مشک کا اہتمام علیحدہ فرس ایک طرف اور تلوار ایک جانب
اتنے اشتغال و افکار میں مصروف ہو کر آپ اس طرح
دفاع کر رہے تھے پھر بتائیے اگر پانی لینے نہ گئے ہوتے
اور محض جنگ مقصود ہوتی تو تختۂ عالم کیسے سلامت
رہتا اس ذات کا کیا ذکر کروں جس نے ناموس صلۂ رحم
کی پابندی میں اتنا اہتمام کیا کہ اپنی پیاسی بھتیجی اور
اطفال اہلبیت سے دفع اذیت تشنگی کے لئے ایک
مشکیزہ پانی لانے میں ہاتھ کٹائے آنکھ دی سر دیا
اور جان دے کر صلۂ رحم کا سکہ جما دیا مجاہدانہ
شان بنا کر چلے اس لئے کہ بغیر اس کے پانی نہ مل سکنے
کا یقین تھا۔ نہر کا رخ کیا فرات پر چار ہزار نگہبان
گھاٹ روکے ہوئے تھے سب فوج در فوج اور موج در
موج ہو کر آپ کی طرف بڑھے آپ کو نرغہ میں لے لیا
مگر قدم ہٹانا کیسا عباس غازی نے تلوار کھینچ لی

شیر خدا کا شیر بپھرا ہوا کوندتی ہوئی بجلی کے مثل اور
تیز و تند ہوا کی طرح دائیں بائیں حملہ کر رہا تھا فضا
غبار سے سیاہ اور زمین خون سے سرخ ہو گئی تھی
بجز حسین کے علاوہ اسی کفار ذوالفقار علمدار سے
اس دفاع میں روانۂ دارالبوار ہوئے
یہ دیکھکر لشکر کا منھ پھر گیا سب کے سب سپاہی
شکست کھا کر بھاگے۔ شیر غضبناک گھاٹ پر پہونچا
نہر میں گھوڑا ڈال دیا معرفت و محبت اہلبیت اور
صلۂ رحم کا اندازہ کیجئے کہ پیاس سے جگر کباب
ہو رہا تھا چاہا کہ پانی پئیں چلو میں بھرا اپنے مظلوم
بھائی امام کی پیاس یاد آگئی پانی پھینکدیا مشک
بھری گھاٹ سے نکلے لشکر گاہ حسینؑ کی طرف
چلے تاکہ بچوں کی پیاس بجھائیں راہ طے کرتے جاتے
تھے اور اپنی پیاس کے تصور میں اپنے آپ سے
شعروں میں یوں باتیں کر کے تسلی حاصل کرتے جاتے تھے

یا نفس من بعد الحسین ھونی
فبعدہ لا کنت ان تکونی
ھو الحسین شارب المنون
وتشربین بارد المعین
ھیھات ماھذا افعال دینی
ولا افعال صادق الیقینی

(ترجمہ) اے عباسؑ حسینؑ کے بعد تو زندہ
رہنا بڑی ذلت کی بات ہے ایسا نہو کہ ان کے بعد
تو زندہ رہے حسینؑ تو پیاس سے جاں بلب ہیں
اور تو ٹھنڈا پانی پی رہا ہے۔ اے عباسؑ نہ میرا
دین ایسے فعل کا متقاضی ہو سکتا ہے اور نہ کیسی
صادق الیقین کا فعل ہو سکتا ہے۔

آپ مشک کو لے کر بڑھے یا یوں کہئے کہ شیر شکار
کو لے کر چلا کمانداروں نے راہ روکی چاروں طرف
سے آپ کو گھیر لیا ایک نابکار نے آکر آپ کے
دائیں ہاتھ پر تلوار ماری دست مبارک شانہ سے
جدا ہو کر گرا۔ آپ کہ پلنگ دل اور نہنگ جگر تھے
مشک کو بائیں شانہ پر لے کر چلے۔ اسی ہاتھ سے
دشمنوں کو ہٹاتے۔ وار کرتے اور انھیں جہنم میں
پہونچاتے جاتے تھے یہ شعر زبان پر تھے شعر کیا
تھے تعلیم حمایت حق کا مصدر۔ تبلیغ معرفت و
محبت اہلبیت وصلۂ رحم کا معدن۔ ہدایت و
ارشاد کا مخزن اور اشاعت وتاکید نوامیس
ایمان کا منبع تھے گویا اسی دریا کو سقائے حرم نے
کوزہ میں بند کیا تھا اور اسی لئے یہ سب تن تنہا
جانبازی اور سرفروشی تھی فرماتے تھے ؎

واللہ ان قطعتم یمینی
انی احامی ابداً عن دینی
وعن امامی صادق الیقین

فخل النبی الطاهر الامین
نبی صدق جاءنا بالدین
مصدقاً بالواحد الامین

ترجمہ اے کافرو اگر تم نے میرا داہنا ہاتھ قطع کر ڈالا تو کوئی بات نہیں بخدا میں برابر اپنے دین اور پاک و امانت دار نبی کے فرزند اپنے صادق الیقین امام کی حمایت کئے جاؤں گا وہ ایسے نبی کے فرزند ہیں جو ہمارے پاس دین حق لائے اور خدا کے یکتا کی تصدیق کرنے والے تھے۔

بہر حال یہ کہتے جاتے تھے اور تلوار چلاتے جاتے تھے آپ زخموں کی کثرت اور سیلان خون سے آپ کمزور ہونے لگے یکایک اسی ملعون نے ایک درخت کی آڑ میں سے نکلکر بایاں ہاتھ بھی قطع کر ڈالا آپ نے مشک دانتوں میں پکڑ لی اور اپنے آپ سے خطاب فرمایا ؎

یا نفس لا تخشی من الکفار
وابشر فی برحمة الجبار
مع النبی السید المختار
مع جملة السادات والاطهار۔
قد قطعوا ببغیهم لیساری
فاصلهم یارب حر النار

ترجمہ:- اے عباس کفار سے ڈرنا نہیں تجھے جناب رسالتمآب اور تمام سادات اطہار کے ساتھ رحمت خدا کی بشارت ہو ان لوگوں نے بغاوت سے میرا بایاں ہاتھ بھی کاٹ ڈالا پس اے خدا تو انھیں داخل نار جہنم فرما۔

اس کے بعد مشک پر بھی تیر آکر لگا تمام پانی بہ گیا آپ کا سینہ تیر سے اور سر مبارک گرز سے مجروح ہوا گھوڑے سے گرے سید الشہداؑ کو پکارا حضرت دوڑے الآن انکسر ظهری وقلت حیلتی یعنی اب میری کمر شکستہ اور راہ چارہ بستہ ہو گئی کہتے ہوئے باتیں برادر پر ہیونچے بھائیوں میں کچھ باتیں ہو گئیں اور جناب عباسؑ نے دنیا کے لئے حمایت حق اور صلۂ رحم کی سبق آموز یادگار قائم کرکے دار فانی سے رحلت کی خدا کرے کہ کربلا والوں کے ایسے حالات و طرز عمل ہماری نظروں میں قابل تاسی و اقتدا اور آئینہ نصیحت و عبرت ثابت ہوں تاکہ ہم بھی اسی طرح کامیاب اور نام آور ہوں جیسے وہ ہوے۔

روایتی نوحہ

(از حشمت نفیسی بانو صاحبہ رضویہ بنت سید ہدایت حسین صاحب رضوی)

درِ حسینؑ پہ اب حسرتوں کا پہرا ہے — حرم خیام میں روتے ہیں حشر برپا ہے
اکیلے رن میں کھڑے ہیں حسینؑ تشنہ جگر — کہ قاصد آ کے ادب سے سلام کرتا ہے
جواب دے کے یہ مولا نے اُس سے فرمایا — کہاں سے آنا ترا اس بلا میں ہوتا ہے
نکال کر خط صغراؑ دیا جو قاصد نے — حسینؑ رو کے کہ دُکھا ہوا کلیجا ہے
جو دیکھی قاصد صغراؑ نے شہ کی حالتِ زار — تو سر کو پیٹ کے روتا ہے خاک اُڑاتا ہے
سوال کرتا ہے مشکلِ مصطفےٰ ہیں کہاں — حضور اکیلے ہیں آخر یہ ماجرا کیا ہے
کہاں ہیں عون و محمدؑ برادر و قاسمؑ — یہ ننھی قبر ہے کس کی ستم یہ کیسا ہے
یہ سُن کے ہو گئے بے چین حضرتِ شبیرؑ — کہا زمین پہ وہ بھائی ہے اور وہ بیٹا ہے
جگر پہ برچھی کا پھل کھا کے مر گیا اکبرؑ — تھکا ہوا ہے جوانی کی نیند سوتا ہے
بُلا کے مجھ کو وطن سے یہاں کیا مجھے قید — کہ چاروں سمت سے اعدا نے مجھ کو گھیرا ہے
کیا ہے بند لعینوں نے آل پہ پانی — عطش سے سوکھا ہوا بچوں کا کلیجا ہے
جوان و پیر تو کیا بچے تک ہیں سب پیاسے — غرضکہ آلِ نبی میں جو ہے وہ پیاسا ہے
تو جن کو پوچھ رہا ہے وہ سب شہید ہوئے — وہ دیکھ دشت میں ریتی پہ سب کا لاشا ہے
شہید ہو گیا پانی کے واسطے اصغرؑ — ابھی ابھی اُسے میں نے لحد میں رکھا ہے
نبیؐ کا سارا چمن دم میں ہو گیا پامال — ذرا سی دیر میں اب میرا حلق کٹتا ہے
وطن میں جا کے یہ صغراؑ سے کہنا اے قاصد — کہ جلتی ریتی پہ بے گور تیرا بابا ہے

مصیبتِ شہ دیں ہے وہ جانگداز نفیسؔ
خیال کرنے سے مُنہ کو کلیجا آتا ہے

علمدار کا اطمینان

(از نہ عالیمرتبت جناب پرنس محمد عباس صاحب بہادر صفوی)

ہو سکتا ہے کہ اس عالم آب و گل میں کوئی آدم صورت اور فرشتہ سیرت ہستی رشد و ہدایت کے لئے اُٹھے اور عوام کالانعام پُرانے مذہب کی بیرونقی سے گھبرا کر صرف اس لئے اس کے ساتھ ہو جائیں کہ ہر جدید لذیذ ہوتا ہے یہ بھی ممکن ہے کہ غامض اور نکتہ رس نگاہیں آئینۂ حال میں شاہد فردا کی دلفریب صورت حال دیکھکر شروع کی کامیابی کو آیندہ کی فتح و ظفر کا پیش خیمہ سمجھ کر اس مصلح کا ساتھ دیں اور یہ بھی بعید نہیں کہ اس ہادی کے اعوان و انصار معمولی سختیوں سے اُمید انشاءاللہ یہ اس کا ساتھ نہ چھوڑیں لیکن جب یاس و نااُمیدی کی شب تیرہ و تار میں سپیدۂ اُمید کی جھلک بھی نہ دکھائی دے جب باطل کی گھنگھور گھٹا میں آفتاب حق و صداقت کی شعاع بمشکل نظر آسکے اور جب ور کشاکش ابتلا میں فرج وکشائش کی کوئی اُمید باقی نہ رہے شاہد حیات مُنہ چھپانے پر آمادہ اور عروس مرگ رونمائی پہ مصر ہو تو غیروں کا کیا ذکر اپنے غیر ہو جاتے ہیں۔ بنی اسرائیل اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے تھے کہ فرعون کی عظیم الشان قوت خدا کے نبی سے ٹکرا کر بحر فنا میں غرق ہو چکی تھی لیکن اس فتح مبین کے باوجود جب خدا کا وہی نبی ایک معمولی قوم سے لڑنے پر آمادہ کرتا ہے تو نہ نبی کی اطاعت کا خیال باقی رہتا ہے اور نہ الٰہی وعدوں پر یقین اور آخر کار جناب موسیٰ کو بارگاہِ احدیت میں عرض کرنا پڑتا ہے:۔

رب انی لا املك الا نفسی واخی فافرق بیننا وبین القوم الفٰسقین (المائدہ آیت ۲۶)

پیغمبر اسلام کے اعوان و انصار اپنے کانوں سے نزول جنود ملائکہ کی بشارت سُن چکے تھے اور اپنی آنکھوں سے بدر کی کامیاب جنگ دیکھ چکے تھے لیکن اسکے باوجود جنگ احد میں معمولی سی ناکامیابی پر کچھ اس طرح ہمت ہار بیٹھے کہ قرآن حکیم کو اذ تصعدون ولا تلون علی احد والرسول یدعوکم فی اخرٰکم (آل عمران آیت ۱۵۳) ارشاد فرما کر ان کو شرمانا پڑا۔

یہ امر کسی بسط و شرح کا محتاج نہیں ہے کہ جناب موسیٰ کے اصحاب اور حضرت ختمی مآب کے اعوان کو نہ یاس قطعی تھی اور نہ یاس قطعی ہو سکتی تھی

اس لئے کہ نہ تو دشمنوں کی تعداد اتنی زیادہ تھی کہ اس تعداد پر غالب آنا عقلاً ممتنع ہوا اور نہ دشمنوں نے ان کے ذخائر آب و طعام پر قبضہ کرکے ان کو بے دست و پا بنا دیا تھا پھر بھی اُن حضرات کا اطمینان ذرا سی بے اطمینانی میں رخصت ہو گیا۔ اس کے بالکل برعکس کربلا کے چٹیل میدان میں بے اطمینانی کے وہ تمام اسباب موجود تھے جو کسی انسان کے تصور میں آ سکتے ہیں لیکن پیاسی فوج کا پیاسا علمدار ایک حیرت خیز و استعجاب انگیز اطمینان کے ساتھ اپنے ہادی کی اطاعت میں مصروف تھا۔ کُل جدید لذیذ کا سوال نہ تھا اس لئے کہ امام حسینؑ کوئی نیا مذہب پیش نہیں فرما رہے تھے موجود کامیابیوں کا ذکر نہ تھا اس لئے کہ حضرت مسلمؑ کچھ دن قبل کوفے میں شہید کئے جا چکے تھے آئندہ کی اُمیدوں کا تصور نہ تھا اس لئے کہ ہزاروں کی جمعیت پر بہتر بھوکے پیاسوں کا فتحیاب ہونا نہ عرفاً ممکن تھا نہ عقلاً۔ طمع دُنیا کا خیال نہ تھا اس لئے کہ سیم و زر کا کیا ذکر حسینؑ کا ساتھ دینے میں پانی ایسی ارزاں شے سے ہاتھ دھونا پڑتے تھے۔ سامنا تھا موت کا اور موت بھی آن واحد میں آغوش فنا میں سلانے والی موت نہیں بلکہ اپنے دامن کے اندر سینکڑوں موتوں کو نہاں کئے ہوئے پیاس اور بھوک کے آلام اعوان و انصار و اعزا و اقربا کی جدائی کے مصائب سے قدم قدم اور لمحے لمحے کو رشکِ صد مرگ بنانے والی موت پھر بھی تاریخ کے صفحات شاہد ہیں کہ ابو الفضلؑ کے اطمینان و ایقان میں کبھی بھی کوئی فرق نہ ہوا۔ سب سے پہلے ان کے نفس مطمئنہ کا امتحان نہم ماہ محرم کو ہوا۔ شمر نے جا کر عباسؑ ابن علیؑ اور ان کے بھائیوں کو بلایا اور کہا کہ اے میری بہن کے بچوں تم کو امان ہے انھوں نے جواب دیا کہ خدا تم پر اور تمہاری امان پر لعنت کرے اگر تم ہمارے ماموں ہوتے (اس سے صاف ظاہر ہے کہ علی الرغم طاعنین شمر علیہ ما علیہ حضرت عباس کا حقیقی یا سوتیلا یا رشتے کا ماموں ہرگز نہیں تھا۔ طالب صفوی) تو افسوس تم ہم کو امان دیتے ہو اور ابن رسولؐ اللہ کو امان نہیں ہے۔" (تاریخ کامل ابن اثیر جلد چہارم مطبوعہ حیدر آباد ص ۱۸۰) کس کو انکار ہو سکتا ہے کہ فوج مخالف کے راس و رئیس کی امان کو پائے استحقار سے ٹھکرا کر دیدہ و دانستہ یقینی موت کے راستے کو اختیار کرنا ایثار کی انتہا نہیں ہے؟۔

شمر کے آ جانے سے ابنِ سعد کی کمزور طبیعت کو ایک سہارا مل جاتا ہے اور عصر کے بعد عمر ابن سعد ایک جم غفیر کو ساتھ لے کر امام حسین علیہ السلام سے جدال و قتال کے لئے میدان میں آ جاتا ہے۔ جناب زینبؑ کے اضطراب کو دیکھ کر امام حسین علیہ السلام بنفس نفیس تشریف لے جانے کا ارادہ فرماتے ہیں لیکن جاں نثار بھائی کو یہ گوارا نہیں ہوتا کہ اس کی زندگی میں اس کا آقا فوجِ مخالف سے قتال کرنے تشریف لے جائے اور

امام حسین ع کو خیمۂ اقدس میں چھوڑ کر فوجِ مخالف میں دلیرانہ طور سے جاتا ہے اور بالآخر امام علیہ السلام کی اس خواہش کو مخالفین سے منوا کر آتا ہے کہ شب دہم جدال و قتال کے بجائے تسبیح و تہلیل الٰہی میں بسر ہو (حوالہ سابق صلـ۱۸۱)

عاشور کی خونیں رات نمودار ہوتی ہے اور حضرت سید الشہداء اپنے تمام اصحاب کو اجازت عطا فرماتے ہیں کہ "ملکوں اور شہروں میں متفرق ہو جائیں" (حوالہ سابق صلـ۱۸۱) لیکن اطمینان و ایقان کا یہ مجسمہ تڑپ کر جواب دیتا ہے کہ ہم آپ کے بعد زندہ کیونکر رہینگے؟ دیکھنا امام خود اپنی بیعت اُٹھا رہے ہیں تا کہ عرف و شرع کی نظر میں لڑائی سے روگردانی کرنے والوں پر کوئی حرف نہ آئے مگر علمدار حسین ع حسین ع کے بعد زندہ رہنے کو عبث سمجھ کر کمال اطمینان سے جان دینے پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ فرضی اللہ عنہ و رضی عنہ۔

رہبر ایسے ہوتے ہیں

(از جناب سید سجاد حسین صاحب شدید لکھنوی)

وفا عباس ع کی جب بولی صفدر ایسے ہوتے ہیں
شجاعت نے کہا بڑھکر غضنفر ایسے ہوتے ہیں

ہوئے لڑ کر فدائے شاہ جب عباس ع دریا پر
ملائک میں یہ چرچا تھا برادر ایسے ہوتے ہیں

علم لیکے لڑے عباس ع چھینی نہر اعدا سے
بہادر ایسے ہوتے ہیں غضنفر ایسے ہوتے ہیں

چلے لڑنے کو جب عباس ع تنہا فوجِ اعدا سے
صدا دی رعب نے بڑھ کے دلاور ایسے ہوتے ہیں

جو پہونچا تیغوں کی موجوں سے بچ کے نہر پہ غازی
صدا دی بحرِ آہن کے شناور ایسے ہوتے ہیں

میں تھا گم کردہ رہ جب لیگئے عباس ع جنت میں
کہا یہ خضر سے میں نے کہ رہبر ایسے ہوتے ہیں

بھگا کے لاکھوں کو قبضہ کیا جب بڑھ کے غازی نے
ہوئے گویا لبِ دریا کہ صفدر ایسے ہوتے ہیں

کٹے گو ہاتھ پر قبضہ نہ چھوٹا تیغ بُراں کا
شجاعت اسکو کہتے ہیں بہادر ایسے ہوتے ہیں

جو بے پانی پئے عباس ع پلٹے عشقِ سرور میں
وفا بڑھ کے پکار اُٹھی برادر ایسے ہوتے ہیں

تمھارے روضہ پہ گر دفن ہو جائے شدید آقا
کہیں یہ دیکھنے والے مقدر ایسے ہوتے ہیں

عنوانِ وفا

(از جناب عباس علی صاحب رضوی وفاؔ ملک پوری جامعہ جوادیہ بنارس)

خونِ دل سے لکھ رہا ہوں آج عنوانِ وفا
تو سہی بن جائے کاغذ اک گلستانِ وفا

نوکِ مژگاں سے کھلے گی جب رگِ جانِ وفا
رنگ کھیلے گا خود اپنے خوں سے ارمانِ وفا

چارہ گر للہ سینہ سے مرے پیکاں نہ کھینچ
دل میں ہے رہنے دے اسکو یہ ہے مہمانِ وفا

داغِ دل داغِ جگر داغِ الم داغِ ستم
ہے یہی گھر میں وفا کے ساز و سامانِ وفا

لاکھ توڑے آسماں سر پہ مصیبت کے پہاڑ
ٹوٹنے پائے نہ لیکن عہد و پیمانِ وفا

خشک کر سکتا نہیں کشتِ عمل کو قحطِ آب
ہم وفا کے خون سے سینچیں کے بستانِ وفا

مطلع

اے شجاعت کے نگیں! اے دین و ایمانِ وفا
تیرے ہی ہاتھوں رہے گا آج میدانِ وفا

آبرو رہ جائے چاہے تشنگیٔ دل نہ جائے
ہے یہی روحِ شجاعت اور یہی جانِ وفا

قطعہ

کہہ رہا ہے خود جفا کاروں سے دشتِ کربلا
کیا سمجھ سکتا ہے کوئی حدِّ امکانِ وفا

چاہتے ہو آبرو اپنی تو در یا چھوڑ دو
آ رہا ہے دیکھ لو شیرِ نیستانِ وفا

رنگ کہتا ہے ترائی میں لہو برسے گا آج
دشمنوں کا خوں پئیں گے تیر و پیکانِ وفا

ہے فضیلت میں شہیدوں سے سوا حیدرؑ کا شیر
اور زہراؑ کا پسر شاہِ شہیدانِ وفا

یوں ہیں میدانِ عمل میں آج عباسؑ و حسینؑ
ایک تفسیرِ وفا ہے ایک قرآنِ وفا

تا جدار ہمت و جرأت ہیں عباسؑ و حسینؑ
گو بظاہر دو ہیں پیکر ایک ہے جانِ وفا

تم نے عباس علیؑ رکھ لی وفا کی آبرو
آج دُنیائے سخنداں ہے ثناخوانِ وفا

حسینؑ عورتوں اور بچّوں کو کیوں لائے؟

(از جناب بیباک ماہلی)

اس سے تو انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ہر انقلاب کی تہ میں قربانیاں چھپی ہوتی ہیں اور جیسے اہم و نازک انقلابات ہوتے ہیں ویسی ہی اہم و نازک قربانیاں دینی پڑتی ہیں مثلاً سرمایہ داری مزدوریت کا گلا گھونٹتی ہوگی۔ غریب مزدور مرتے ہوں گے مفلس سرمایہ داروں کے دست ظلم کا شکار ہوں گے تو مزدوروں و مفلسوں کو برسر پیکار ہونا پڑے گا اور سرمایہ داروں کے ہر کچلنے والے آلہ کے سامنے اپنی جسمانی و مالی قربانی گوارا کرنی پڑے گی۔ سرمایہ داری و اقتدار و فوقیت و برتری کے غرور کو فنا کرنا پڑے گا یا اگر کوئی بادشاہ ایک شخصی حکومت یا جبری سلطنت کی بنیاد ڈالنا چاہتا ہوگا تو بین الاقوامی سلطنت کے لئے جمہور کو علم نافرمانی و لغاوت بلند کرنا پڑے گا اور اسکی طاقت و قوت کے سامنے جمہور کو بطریق جنگ آنا پڑے گا یا ایسے ہی اور بھی معاشی، اقتصادی، قومی، وطنی انقلابات ہو سکتے ہیں جن کے لئے ٹھوس و مادی قربانی کی ضرورت ہوگی اور امن و امان و صلح و آشتی سے ایک محدود وقت تک کے لئے ہاتھ دھونا پڑے گا۔

لیکن اگر واقعات اس کے مقتضی ہوں گے کہ بد تہذیبی و بداخلاقی کا دریا چڑھتا نظر آئے گا۔ بداعمال و بدکرداری کے بادل ملک پر چھائے جاتے ہوں گے فسق و فجور کا طوفان برپا ہوگا اور بہیمیت انسانیت کو فنا کرتی ہوگی۔ راعی و رعایا ایک رنگ میں رنگے ہوئے نظر آتے ہوں گے۔ سلطنت و حکومت کے دباؤ جبر و تعدی کے خوف سے کسی کو سر پھیرنے کی مہلت نہ ہوگی اور اس بات کا ڈر پیدا ہو جائے گا کہ آگے بڑھکر انسان صحیح معنوں میں انسان نہ رہے گا اسکے لئے عرصہ حیات تنگ ہو جائے گا۔ انسان و حیوان کی تمیز مشکل ہو جائے گی۔ بنی نوع انسان وحشت و بربریت کے مرض میں مبتلا ہو جائینگے تو ایسی نازک صورت میں اس کا مقابلہ تہذیب، خوش اخلاقی و اعمال صالحہ و افعال حسنہ کو کرنا ہوگا اور زہد و ورع کو سامنے آنا پڑے گا تا کہ بہیمیت انسانیت کا سبق پڑھ سکے۔ حق ظاہر ہو باطل مٹے پس یہ جنگ جنگ نہ ہوگی بلکہ نیکی و بدی کا مقابلہ ہوگا اور اس مقابلہ میں نہ جنگی اسلحوں کی ضرورت ہوگی نہ فوجوں کے ہجوم کی۔ نہ خیمہ و خرگاہ کی نہ رسد رسانی کی بلکہ دنیا سے چند ایسی چنی ہوئی بے مثل و مثال مہذب، خلیق، خوش افعال، خوش اعمال

جوہر انسانیت سے مزین حق کی شیدا فردوں کی ہر
صنف سے ضرورت ہوگی کہ ذکور کا اثر ذکور پر اور اناث
کا اثر اناث پر پڑ سکے بلکہ بہتر صورت یہ ہوگی کہ اس میں
ضعیف بھی ہوں جوان بھی ہوں طفل بھی ہوں اور
شیر خوار بھی تاکہ ہر طبقہ کے مرد و عورت کی عملی قربانیاں
اثر انداز ہوسکیں ۔ اب چونکہ یہ انسانی صفات ہیں اسلئے
ان کے موصوف صرف ایک دوسرے کے حریف ہوں گے۔

لہذا ایسے حضرات کو جو یزید و حسین علیہ السلام کے
واقعات کو جنگ کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور یہ کہتے ہیں
کہ جب حسین علیہ السلام جانتے تھے کہ یہ ہمارا انجام ہونے والا
ہے تو عورتوں و بچوں کو لے کر میدان جنگ میں کیوں آئے۔
واقعات کی روشنی میں سوچنا چاہیئے کہ یہ جنگ نہ تھی
جسمیں عورتوں و بچوں کا لے کر جانا دوراندیشی کے
خلاف تھا غفلت تھی ۔ انجام بینی کے خلاف تھا یا
دیدہ و دانستہ مصائب و آلام میں ڈالنا تھا بلکہ یہ مصائب
انسانی کا محاسن انسانی سے مقابلہ تھا۔ مادیت سے
روحانیت کو دوچار کرنا تھا اور روحانیت کی فتح کے لئے
جو انجام ہونے والا تھا اس کے لئے ایسے مردوں عورتوں
و بچوں کی ضرورت تھی جو صبر و تحمل کے ساتھ ضبط و سکون
کے ساتھ تمام مصائب کو جھیل جائیں تاکہ بنی نوع انسان
کو معلوم ہو جائے کہ عبد و معبود کے درمیان کا مسئلہ
کتنا نازک ہے ۔ انسان کو اس نے کس لئے پیدا کیا ہے۔
اس کا فرض دنیا میں آنے کے بعد کیا ہے۔ اب یہ تو دنیا
کی تاریک ذہنیتوں کی اندھی روش ہے کہ انھوں نے
اخلاق حسنہ و اخلاق سئیہ کے مقابلہ کو حق و باطل کے
معرکہ کو ۔ انسانیت و بہیمیت کی لڑائی کو فسق و فجور و زہد و
ورع کے مقابل ہونے کو ۔ بد تہذیبی و تہذیب کی صف آرائی
کو جسمیں ایک طرف انسانیت اپنی تمام خوبیوں سے آراستہ
ہو کر آئی تھی ۔ دوسری طرف بہیمیت اپنے اسلحہ سے پیراستہ
تھی ۔ ایک طرف حق اپنے تمام محاسن کے ساتھ موجود تھا۔
دوسری طرف باطل اپنے تمام مکروہات لئے ہوے تھا ایک
طرف اخلاق حسنہ بزور تھا ۔ دوسری طرف اخلاق سئیہ
کا ظہور تھا ۔ جنگ سمجھ لیا اور اعتراض کر دیا ۔

دیکھیے باطل نے نہیں چاہا تھا کہ زر و جاگیر کی طمع،
منصب و جاہ کی ہوس اور تہدید و سرزنش کا خوف دلا کر
اندھی بھولی رعایا کو ملک ملک سے فوج کی صورت میں
اکٹھا کر کے نیزہ و شمشیر دے کر طبل و علم کی دھوم مچا کر اتنے
آدمیوں کو حق کے مقابلہ میں کھڑا کر دوں کہ حسن قرآن
پامال ہو جائے ۔ تہذیب و شائستگی مٹ جائے ۔ اخلاق
حسنہ کچل جائے ۔ اعمال صالحہ کی دھجیاں اڑ جائیں ۔
عدل و انصاف بےمعنی ہو جائے کعبہ و کنشت ایک ہو جائے۔
حق و باطل کی تمیز مٹ جائے ۔ حلال و حرام کی شناخت
باقی نہ رہے اور علم، عبادت، پرہیزگاری، سخاوت،
رحم دلی، صداقت، ایثار، مساوات اور تمامی اخلاق حسنہ
جن کی وجہ سے انسانیت و بہیمیت میں امتیاز کیا جاتا ہے غلبہ
طاقت و اقتدار کے شور و شغب میں گم ہو جائے جس سے عراق و

عرب یہ سمجھ کر کہ حسینؑ نے یزید کی بیعت نہیں کی (حکم نہیں مانا) خروج کیا اس لئے بادشاہ و خلیفہ وقت نے ملکی و سیاسی ضرورتوں کے ماتحت ان سے جنگ کی حسینؑ نے شکست کھائی قتل ہوئے۔ اُس عرب کی تاریک ذہنیت و جہالت تما آزادی پر پچھلے پیر لوٹ جائے جس سے نکلکر ابھی ابھی اسلامی حدبندیوں کے اندر داخل ہوا ہے اور دین اسلام کو دین الٰہی سمجھنے لگا ہے۔

— جس کی محافظت حسینؑ کے سر تھی کیونکہ وہی اسوقت پیغمبر اسلام کے بانی اسلام کے جائز وارث تھے اور ان کے عزیز و اقارب و اصحاب و انصار سے بہتر خواہ اسمیں مرد ہوں یا عورت کوئی بہتر و قابل انتخاب فرد دُنیا میں علم، عبادت، پرہیزگاری، سخاوت، رحمدلی، صداقت، ایثار، ساوات، تہذیب و شائستگی، خدادانی و خداشناسی و اخلاق حسنہ و اعمال صالحہ کی موجود نہ تھی اس لئے کہ اسلام انھیں کے گھر سے نکلا تھا۔ قرآن انھیں کے گھر میں نازل ہوا تھا۔ نیابت الٰہیہ کے مستحق یہی ٹھہرے تھے اور دنیا کو صحیح معنوں میں انسان بنانے کے لئے یہ نورانی گروہ رب العزت عزاسمہ کی طرف سے چنا گیا تھا اور جتنی بھی مخالفت آئین و اصول اسلام کی، نبی اسلام کے زمانۂ حیات سے لے کر اس وقت تک کی گئی تھی سب کی سب حسین علیہ السلام کے پیش نظر ہو چکی تھی۔ حسین علیہ السلام کے سامنے ہی رسول کی آخری سانس کے چند لمحوں میں قلم و قرطاس کا واقعہ پیش آیا تھا ....

تجہیز و تدفین میں عدم شرکت بہتر سمجھی گئی تھی۔ فاطمہؑ کو باپ کے غم میں رونے نہ دیا گیا۔ ان کا حق وراثت غصب کیا گیا۔ بنی اُمیہ کو قوت دے کر اس حد کو پہنچایا گیا کہ کھلم کھلا علیؑ کے دورِ خلافت میں علمِ بغاوت اونچا کیا گیا۔ جس کے بعد علی ابن ابیطالبؑ کی شہادت کی نوبت آئی اور دُنیا کو یہاں تک اپنی سیاسی چالوں میں کامیابی حاصل ہوئی کہ علی ابن ابیطالبؑ نے شہادت پائی حسن علیہ السلام سے مصلحت ٹھہری مگر شرائط صلح کے خلاف عمل پیرا ہونے کیلئے ان کی زندگی کا خاتمہ جعدہ ... کے زہر سے کیا گیا۔

چنانچہ ایسی صورت میں اگر کوئی اور ہوتا تو دنیا کی اس ...... سیاست سے گھبرا جاتا۔ گردن اطاعت خم کر دیتا اور بنی نوع انسان کو آزاد چھوڑ دیتا .... اور اسکی مطلق فکر نہ کرتا کہ اسلام رہے یا فنا ہو لیکن حسین علیہ السلام تو ان گودیوں میں پرورش پا کر جو سیاست رسالتی میں ڈوبی ہوئی تھیں ان نظریوں تک پہنچ چکے تھے جو انبیا و مرسلین اور خاتم النبیینؐ و علیؑ و بتولؑ کے نظریئے تھے اور اسلام و قرآن کو اچھی طرح سمجھ چکے تھے۔ حق اللہ و حق العباد و حق الناس کے حقوق کو جان چکے تھے۔ سیرت نبوی کے سانچے میں ڈھل چکے تھے اور اپنی سیرت کو علم و عمل رسول و علیؑ کا آئینہ بنا چکے تھے۔ آپ کو معلوم تھا کہ والدین کے حقوق اولاد پر اور اولاد کے والدین پر کیا ہیں۔

بھائی کو بہن کے ساتھ اور بہن کو بھائی کے ساتھ کیا کرنا چاہئے۔ زوجہ کا حق شوہر پر اور شوہر کا زوجہ پر کیا ہے۔ عزیز و اقارب ناتے و رشتے کے نازک تعلقات ہر آئینہ سے کیا چاہتے ہیں۔ ہمسایہ و ہم وطن و بنی نوع انسان کے حقوق کی ذمہ داری کہاں تک ہے۔ جانوروں کے حقوق کا انسان کہاں تک ذمہ دار ہے اور وہ کس حد تک اس کو پورا کرے کہ صحیح معنوں میں انسان کہے جانے کا مستحق بنے اور پیش پروردگار سرخرو ہو کر ابدی نجات حاصل کرنے کا مستحق ٹھہرے۔ اس کا دین و ایمان خراب نہ ہو فسق و فجور میں نہ پھنسے ظلم و تعدی میں گرفتار۔ حیوانوں کی سی زندگی بسر کرے بوطلاً بن کر تخت سلطنت پر نہ اکڑے۔

بریں بنا آپ نے معاویہ کے اس اقدام کے بعد کہ انھوں نے آپ کو ملانا چاہا اور ناکام رہے سکوت اختیار کیا۔ یہاں تک کہ معاویہ کا انتقال ہو گیا اور یزید نے تخت خلافت پر بیٹھ کر آپ کی خاموشی کے توڑنے کی فکر طاقت و اقتدار سے کرنے کی ٹھان لی اور صاف لکھ بھیجا کہ بیعت لی جائے یعنی میرے ہر عمل شراب خواری، بد کرداری، رندی و ہوسناکی وغیرہ پر حسینی مہر ثبت کرالی جائے تاکہ دُنیا کو میرے فعل پر اعتراض کا موقع نہ ملے اور میرا ہر عمل اسلامی اصول و آئین کے موافق سمجھا جائے۔ جس سے حسینؑ نے صاف انکار کر دیا۔

لیکن حسین علیہ السلام اسی وقت سے اس نازک انقلاب کی حفاظتی ذمہ داریوں کے متعلق قربانیوں کا مسئلہ سوچنے لگے تھے اور اس غور میں تھے کہ اسلام اخلاق حسنہ و اعمال صالحہ کا علمبردار ہو کر آیا۔ قرآن جیسا محکم قانون لایا۔ رسولؐ کریم جیسے پیغمبر نے اسکے اصول کی تعلیم دی۔ علیؑ جیسے شجاع و بہادر نے اسکی نصرت کی۔ فاطمۂ جیسی صالح عورت نے عبادت و ریاضت و صبر و حلم کے جوہر پیش کئے بھائی حسن خلق عظیم کا نمونہ بنے پھر ان دُنیا والوں نے عرب کی اس پارینہ جہالت و بیدینی و تفوق و اقتدار کی ..... تاریک سیاست کو مٹنے نہ دیا۔ پیغمبر خدا صلعم سے جنگیں کیں۔ علیؑ بن ابیطالب سے لڑے۔ مادر گرامی کو ایذائیں دیں۔ بھائی حسن علیہ السلام کو شہید کیا اور کسی نے اسلام کے آئین و قانون کو نہ جانا۔ قرآن کے معنی کوئی نہ سمجھا اور رسولؐ و امام کے بتانے و سمجھانے کے بعد بھی واجب الوجود کے احکام و اجب التعمیل سے آگاہ نہ ہوئے۔ اب بھی یہ ناعاقبت اندیش اسی طرح منحرف ہیں جیسے پہلے تھے اور چاہتے ہیں کہ مجھے بھی اپنی سیاسی چالوں سے بعینہ اسی عنوان سے قتل کر کے میرے حقیقی اعلان کو میرے درس الٰہی کو۔ میرے اخلاق حسنہ کی تعلیم کو اسی طرح ملکی مصلحتوں کے اندر دبا دیں جیسے میرے بزرگوں کی تعلیم کو دبایا اور یہی وجہ ہے جو یہ جنگ کی تیاریاں کر رہے ہیں۔

پس مجھے سب سے پہلے ان کے ان مشہور مقاموں کو جو انکی

سیاست مکارانہ کا مرکز بنے ہوئے ہیں جہاں ان کے جاسوس ان کی خیر طلبی کا راگ الاپ رہے ہیں جہاں انھوں نے اندر ہی اندر حق و حقیقت کے چھپانے کا جال بچھا رکھا ہے جلد سے جلد چھوڑ دینا چاہئے اور ایسے غیر معروف مقام پر چلے جانا چاہئے جہاں کے لئے انھیں ایسی بھی نقل و حرکت کرنی پڑے ۔ نظام کو بدلنا پڑے تاکہ دُنیا ان کی گندی پالیسی کا کھلی آنکھوں معائنہ کرے اور ان کے شہری تمدن کا شور و شغب میری قربانی کو دبا نہ سکے اور میری محافظت اسلام کی تدبیریں لقائے دین کی کوشش ملکی جنگ نہ سمجھی جائے ۔

دوسرے اب مجھے اسلام کے بچانے اور حق کا پیغام پہونچانے کے لئے ۔ یاد رکھئے فدائے ... کے لئے رسول کے اس عمل پہ قدم بہ قدم چلنا چاہئے جو نانا نے بنی نجران کے مقابلہ میں بحکم آیۂ مباہلہ کیا تھا کہ عورتوں و بچوں کو ساتھ لے کر روحانی تعلیم کے لئے نکلے تھے تاکہ وہاں پہونچکر وہ تمام مرحلے صاف ہو جائیں جو اسلام نے صنف ذکور و اناث کی طرف سے عائد کئے ہیں اور ان ناتوں و رشتوں کے ضمن میں رکھے ہیں جن کے بغیر انسان کی تمدنی زندگی مکمل نہیں کہی جا سکتی اور اگر کوئی ضرورت وہاں اسلام پر جان دینے و حق پر قربان ہونے کی بھی آ جائے تو ہر جاں نثار اپنے جائز وارث کی اجازت سے اسلام پر قربان ہو تاکہ دُنیا کو اس کہنے کا موقع نہ ملے کہ حسین علیہ السلام کے دباؤ سے یہ قربانی واقع ہوئی ۔

تیسرے اس مقابلہ قربانی میں مسن تجربہ کار اور ایسے ضعیف و بزرگ بھی ہوں جنھوں نے رسالت کی آنکھیں دیکھی ہوں رسول کریم کے فرمان سُنے ہوں انکی صحبت میں بیٹھے اُٹھے ہوں تاکہ میں جو کچھ کلمۂ حق کہوں یا اسلامی و قرآنی حکم سُناؤں اس کی وہ تصدیق کریں ۔ اور کچھ ایسے بنی ہاشم کے جوان بھی ہوں جو شجاعت ہاشمی کو بدنام نہ ہونے دیں ۔ کچھ صغیر سن بچے و شیر خوار طفل بھی ہوں جنکی بھولی صورت و معصومیت کی روشنی میں اندھوں تک کو حق کا راستہ دکھائی دے اور سخت دل سے سخت دل انسان بھی کہہ اُٹھے کہ بیشک یہ حق پر ہیں ۔

چوتھے سب سے زیادہ ضروری بات یہ ہونی چاہئے کہ مرد و عورت میں سے ہر فرد حسن عمل اخلاق و زہد و ورع و عبادت و ریاضت کے سانچہ کی ایسی ڈھلی ہو کہ انکی ہر حرکت بد اعمالوں بدکرداروں کے لئے نشتر کا کام دے جسے دیکھکر اگر سب کے سب نہ سہی تو سپہ سالار لشکر حُر ہی باطل کو چھوڑ کر حق کی طرف چلا آئے اور وہ فرد ایسی متحمل، بردبار، حلیم مستقل مزاج، منکسر، صابر و رحیم ہوں کہ مصائب و آلام کا پہاڑ بھی اگر ان پر ٹوٹ پڑے دُنیا کے تمام حادثات سمٹکر ایک مرکز پر آ جائیں تو بھی انکی زبان سے کوئی کلمہ حق کے خلاف نہ نکلے ۔ اخلاق کے مخالف نہو ۔ اُف ! نہ کریں بلکہ رضا جوئی و خوشنودئ الٰہی کی خواہش ان کے چہروں کے رنگ کو زیادہ روشن کرتی جائے تاکہ دُنیا کو صاف صاف معلوم ہو جائے کہ ایک طرف علما و عباد و زہاد و صلحا کا چھوٹا سا گروہ ہے تو دوسری طرف فسق و فجور، ظلم و جور، دُنیا طلبی و ملک گیری کا خواہشمند انبوہ ایک طرف

بھوکے پیاسوں کا مختصر سا مجمع ہے تو دوسری طرف سیر و سیراب ـ خود سر و مغرور سپاہیوں کا لشکر ـ ایک جانب شب زندہ دار نمازیوں کی صف تو دوسری جانب پیروانِ ابلیس شرابخوار کا پرا ـ ایک طرف عدل و انصاف، علم و حلم کا مجمع تو دوسری طرف جور و عدوان، بغض و حسد کی مورتیں ـ ایک طرف نبی کا نواسہ مع اہل و عیال ہے تو دوسری طرف ابوسفیان دشمنِ خدا و رسول کا پوتا ـ ایک طرف علیؑ و فاطمہؑ کا جگر بند ہے تو دوسری طرف معاویہ و ہندہ جگرخوارہ کا فرزند یزید جو مقتولین بدر و احد کی انتقامی آگ سے جل رہا ہے ـ جسے نہ خدا سے مطلب ہے نہ رسول سے سروکار ـ نہ اسلام سے دوستی ہے نہ قرآن سے محبت ـ

پانچویں ایسے نازک وقت میں جبکہ یزید حسینؑ سے بیعت کا طلبگار ہے ـ عورتوں، مردوں کے ایک ایسے مجمع کی بھی ضرورت ہے جو اس مجمع عام میں یعنی دیار کوفہ و شام کے ہجوم میں علی الاعلان میری بیعت کے حق ہونے کا ثبوت دے! اسے حق جانے اور میری بیعت کرے ـ کیونکہ ایسے وقت میں ... حق یہ ہے ـ اسکی متابعت میں جان دیجا سکتی ہے ـ لاشوں کی پامالی گوارا ہے اپنے بچوں و شوہروں کو نثار کر دینا قبول ہے ـ قید ہونا منظور ہے لیکن حسینؑ کی بیعت سے پھرنا ناممکن ہے اسلئے کہ یزید حق پر نہیں ہے وہ شرابخوار ہے، بدکردار ہے ـ ظالم ہے ـ اگر وہ حق پر ہوتا تو حسین علیہ السلام سے بیعت کے لئے نہ کہتا وہ جانتا ہے کہ ہمارا کوئی فعل و عمل حق نہیں ہے ـ اسلام و قرآن کے آئین و قانون کے موافق نہیں اسلئے چاہتا ہے کہ حسین علیہ السلام کی بیعت کا سہارا لے کر اسے دُنیا کے سامنے حق بنا دے ـ یہی اسکی بطالت کی دلیل ہے ـ اگر وہ حق پر ہوتا تو یہ موجودہ مجمع جس میں اصحاب رسولؐ بھی ہیں ـ فقہا و علماء بھی ہیں حسینؑ کو خود صلاح دیتا کہ وہ یزید کی بیعت کرلیں ـ

غرض حسین علیہ السلام ان نظریوں کے تحت میں اس انجام کی تکمیل کے لئے جسے جانتے تھے عورتوں، بچوں، بوڑھوں اور جوانوں کو لے کر بلائے معلیٰ کے میدان میں آئے تھے اور ویسی ہی شاندار کامیابی و نمایاں فتح اس روحانی مقابلہ میں حاصل کرلی جو آپ کی انجام بین نظر دیکھتی تھی جس کا اتنا دُھندلا سا خاکہ تو ہمیں بھی نظر آتا ہے کہ ؎

وہ کون سی بستی اور ویرانہ ہے
جو ماتم شبیرؑ سے بیگانہ ہے
پہونچی نہیں تکبیر جہاں تک واں بھی
مظلوم حسینؑ کا عزاخانہ ہے (اسد)

یوں کہنے کو جس کا جو جی چاہے کہدے لیکن مسلم و غیر مسلم سبھی جانتے ہیں کہ اموی سیاست کا فنا کرنا ـ اموی اسلام کا مٹانا ـ اموی جبر و اقتدار کا نیست و نابود کرنا حسینؑ ہی کا کام تھا حسین علیہ السلام نے درحقیقت اپنی اس سیاستِ رسالتی میں ڈوبی ہوئی سیاست سے قربان ہو کر بہیمیت و انسانیت کے درمیان سد سکندری کھینچ دی اور دُنیا کو بتا دیا کہ قلت و کثرت کے مقابلہ میں دُنیا کی بڑی سے بڑی طاقت کو ایک چھوٹا سا مجمع کس طرح ایسی شکست دے سکتا ہے کہ حریف قیامت تک نہ اُبھر سکے ـ

از جناب سید افتخار حسین صاحب نقوی ایم۔ اے۔ موضع ادبھاریا ضلع بیتول سی۔ پی

ناظرین نظارہ کی خدمت میں بصد ادب التماس ہے کہ مضمون ہذا میں بعض مقامات پر تاریخی بحث کو عمداً نظر انداز کر دیا گیا ہے (راقم)

شائد آپ کو تعجب ہو گا کہ میں اس چیز کا خاکہ آپکے سامنے پیش کرنا چاہتا ہوں جس کی بابت آج سے تقریباً سو سال قبل غالب مرحوم کے سے مسلم الثبوت استاد کہہ چکے ہوں کہ یہ وہ لفظ ہے جس کا نقش اس دنیا میں کبھی بھی تسلی بخش شکل میں ظاہر نہ ہوا۔ اور نہ یہ لفظ کبھی شرمندۂ معنی ہو سکا۔ یعنی لفظ "وفا"۔

لیکن مجھے کہنے دیجئے کہ اس شعر کی صداقت دنیائے مجاز تک ہی محدود ہے۔ ممکن ہے کہ شعر مذکور (جس کی جانب میں اس موقعہ پر محض اشارہ ہی کرنا کافی سمجھتا ہوں) صدہا قلوب پر وجد کی سی کیفیت طاری کر سکتا ہو لیکن اسی دنیا میں کچھ ایسے واقعات مبنی بر حقیقت گزر چکے ہیں جہاں اس شعر کا افسوں حرفِ غلط کی طرح قلوب سے زائل بھی ہو سکتا ہے۔

اس وقت شعر مذکور کی رو میں خامہ فرسائی مطلوب نہیں ہے اور نہ اس شعر کے لطیف نکات کی جانب اشارہ کر کے ظرافتِ طبع کا سامان مہیا کرنا ہے۔ بلکہ میری آنکھوں کے سامنے تاریخِ عالم کا وہ باب کھلا ہوا ہے جو میدان کربلا کے خونی واقعہ سے تعلق رکھتا ہے اور ذبحِ عظیم کے مناظر پیش کرتا ہے۔

یہاں وفا کی ایک نہیں بیسیوں تصویریں آنکھ کے سامنے پھر جاتی ہیں اور حیرت ہوتی ہے کہ یہ ایسی نایاب و گراں بہا جنس کس طرح فراوانی کے ساتھ دستیاب ہو رہی ہے۔ لیکن کدھر؟

کیا یزید کی ایک لاکھ بیس ہزار فوج میں؟

حاشا و کلّا!!

یہ صرف حسینؑ کے کیمپ کو فخر حاصل ہے جہاں قُل بادِل فوجِ مخالف کے مقابلے میں صرف بہتّر جانیں راہِ خدا میں نثار ہونے کو تیار ہیں جن میں ستّر برس کے بوڑھے سے لے کر کل چھ مہینہ کا بچہ تک شامل ہے

لیکن اسی مرقع میں اگر وفا کی تصویریں دیکھنا ہوں تو صرف بہتّر نہیں بلکہ تعداد مجاہدین سے کہیں زیادہ رُخ وفا کے نظر آئیں گے۔ ہر ایک کی تفصیل یہاں مقصود نہیں اور نہ ممکن ہے بلکہ چند رخ تاباں پر روشنی ڈال کر آپ حضرات کی خدمت میں وفا کی تصویر پیش کرنے کو دل چاہتا ہے۔ لیکن تمام و کمال تصویر تو کیا عشر عشیر بھی ضبط تحریر کرنا ممکن نہیں۔ ہاں بارگاہ اہل وفا میں حقیر ہدیہ عقیدت بنظر حصول ثواب پیش کرنا مقصود ہے۔

ذرا تاریخ عالم کے "باب وفا" پر نظر ڈالیئے۔ کرب و بلا سے پُر ایک وسیع میدان کارزار نظر آرہا ہے۔ خدا کے حبیب، حبیب خدا کے لخت جگر۔ شہنشاہ دو جہاں، بادشہ کرب و بلا، سید الشہداء، آقائے دو جہاں یعنی حسینؑ ابن علیؑ نہر فرات سے پرے چند اہل و عیال اور قلیل التعداد انصار کے ساتھ وادی صحرا میں خیمہ زن ہیں، عرب کا ریتیلا میدان، تمازت آفتاب گرمی کا زمانہ، لو کا چلنا، نایابی آب، عیال و اطفال خورد سالی کا ساتھ، بچوں کا پیاس سے بلکنا۔ عیال کی پریشانی و ہراسانی ایک عجیب بھیانک منظر پیدا کر رہے ہیں۔ ادھر کچھ کم ستّر افراد علم حسینی کے نیچے موجود ہیں ادھر یزیدی فوج میں ہزارہا دشمنان دین نہر فرات کا گھاٹ روکے آمادہ بہ قتال ہیں۔

اچانک فوج مخالف کے کالے بادلوں میں سے کچھ ستارے ٹوٹ کر ظلمت کے بحر ذخار سے گزر کر وادی روشن کی طرف آتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ جناب زینبؑ کا ہراس کچھ دیر کے لئے مبدل بہ خوشی ہو جاتا ہے جبکہ شہنشاہ دو جہاں اپنی زبان معجز بیان سے فرماتے ہیں کہ "وہ میرا مہمان آرہا ہے"۔

معلوم ہوتا ہے کہ یہ لشکر مخالف کا سردار حُر بن ریاحی حق کا شناسا اپنے محسن اول کی نصرت پر کمر باندھ کر اپنی خطاؤں سے شرمندہ سر جھکائے معافی کا طلبگار ہے۔ شائد اپنے وقت ولادت کو یاد کیا ہوگا۔ شائد حسینؑ کے احسانات نے اس کے نقش اول پر جلا کردی ہوگی کیونکہ حسینؑ ہی نے سب سے پہلے اس بندۂ خدا کے کان میں آواز اذان پہونچائی تھی۔ وہ نقش وفا و پیمان اب پھر اپنی آب و تاب کے ساتھ قلب کے آئینہ میں جلوہ گر ہے۔ حسینؑ اس عالم غربت میں بھی اپنے مہمان کی خاطر کی خواہش کا اظہار کرتے ہیں۔ مگر یہ وفا کا پُتلا سب سے پہلے اپنی جان نثار کرنے کے لئے تیار ہے۔ اور طلبگار اذن جہاد ہے۔ حسینؑ مجبور ہو جاتے ہیں اور وہ مع اپنے فرزندان و غلام جان نثار اپنے محسن و آقا پر اپنی جان فدا کر دیتا ہے۔

وفا کا وہ منظر بھی قابل دید تھا جبکہ فوج حسینی میں سے ایک کبیر السن مجاہد تلوار ٹیک کر کھڑا ہو جاتا ہے اور حسینؑ سے اذن جہاد کا طلبگار ہوتا ہے۔ ضعیفی کا

عالم ہے۔ ہاتھوں میں جھرّیاں پڑ گئی ہیں لیکن شوقِ شہادت نے دل کو جوان اور عزم کو مثلِ آہن مضبوط کر رکھا ہے۔ حسینؑ ان کے چہرہ پر نظر کرتے ہیں تو آنکھوں میں آنسو بھر لاتے ہیں۔ یہ کون ہیں؟ حسینؑ کے بچپن کے دوست حبیب ابن مظاہر۔ ایسے باوفا دوست کا جدا ہونا حسینؑ کو کب گوارا ہو سکتا ہے مگر مجبور ہیں ان کے سن کا خیال کرتے ہیں اُن کے عزم پر نظر ہے۔ یہ وہی بزرگ ہیں جن کو بازار کوفہ میں حسینؑ کا نصرت کے لئے پیغام پہونچا تھا۔ آپ خضاب خرید فرما رہے تھے لیکن پیغام کا کانوں تک پہونچنا تھا کہ خواہشات و آرائش دنیا کے خیال کو مطلق ترک کر دیا اور یہ کہتے ہوئے اُٹھ کھڑے ہوئے کہ "اب انشاء اللہ حبیب نصرت حسینؑ میں اپنی ریش کو خون سے خضاب کرے گا"۔

حسینؑ کو ان کی جدائی کا خیال سخت بے چین کر رہا ہے مگر ان کا اصرار کم نہیں ہوتا ناچار اپنی رضا کا اظہار کرتے ہیں۔ یہ بوڑھا مجاہد ایک مرتبہ قوی ایمانی روحانی طاقت کی ایک زبردست لہر محسوس کرتا ہے اور میدان کارزار میں وفائی منزل کو طے کر کے جام شہادت نوش کر جاتا ہے۔

اسی صفِ انصار میں ایک مرد مجاہد زہیر بن قین ہیں وہ حسینؑ کو دشتِ قتال میں نماز کی یاد دلاتے ہیں۔ حسینؑ اس فرض کی یاددہانی پر خوش ہوتے ہیں اور ان کے حق میں دعائے خیر کرتے ہیں۔ اسی وقت مجاہدین نماز کے لئے صف بنا کر اپنے آقا کے سینہ سپر ہو کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ نماز خوف ادا کی جاتی ہے۔ مجاہدین کے سینوں میں تیر پیوست ہیں مگر ڈسپلن کا یہ حال ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک دیوار آہن ہے جس میں سیسہ پلا دیا ہو۔ ایک گرتا ہے تو دوسرا جانباز سینہ سپر ہو جاتا ہے۔

جب انصار رفاقت میں کام آ چکتے ہیں اور راہِ وفا کی منزل کو طے کر جاتے ہیں تو بنی ہاشم کے چند افراد باقی رہ جاتے ہیں جن میں جناب زینبؑ کے صاحبزادے حضرت عون و محمدؑ بھی ہیں جو باوجود صغیر السن ہونے کے اپنے ماموں پر اپنی جانیں فدا کرنے کو تیار ہیں۔

ماں کا یہ کہنا کہ "اگر آج تم میرے مظلوم بھائی پر صدقے نہ ہوئے تو میں کبھی دودھ نہ بخشوں گی"۔

بچے ہیں کہ باوجود نو دس برس کا سن ہونے کے ماں کے کہنے سے پہلے ہی آقائے دوجہاں پر اپنی جانیں نثار کرنے کو ہمہ تن تیار ہیں۔

ادھر ام لیلیٰ مادر علی اکبرؑ اپنے بیٹے ہمشکل پیغمبرؐ کو خیمہ میں جہاد کے لئے آمادہ کرتی ہیں۔ انھیں کیا معلوم کہ یہ نوجوان علی اکبرؑ ہمشکل پیغمبرؐ پہلے ہی سے جہاد کا عزم مستقل رکھتے ہیں اور دل ہی دل میں پیچ و تاب کھا رہے ہیں۔ ایک طرف حضرت قاسمؑ یادگار جناب امام حسنؑ کو سخت اضطراب ہے کہ وہ کس طرح

اذنِ جہاد حاصل کریں اور اپنی جان اپنے چچا پر نثار کریں
ایک جانب حضرت ام کلثوم خواہر حضرت ابوالفضل العباسؑ
بے چین ہیں کہ وہ اپنی طرف سے کونسی قربانی پیش کریں
حضرت ابوالفضل العباسؑ حسینی لشکر کے سپہ سالار جب
اپنی بہن کو مضطرب پاتے ہیں تو فرماتے ہیں کہ
آپ بے چین نہ ہوں یہ غلام تو سب سے پہلے اپنے
آقا پر جان فدا کرنے کو تیار ہے۔ مگر کیا کرے جہاد کی
اجازت ہنوز نہ ملنے سے مجبور ہے۔ چنانچہ خواہر
حضرت عباس علمبردار اس عزم کو معلوم کرکے خوش
ہوتی ہیں۔

حسینؑ ہیں کہ کچھ سوچ رہے ہیں ہر چند بارگاہِ خداوندی
میں اپنی قربانی پیش کرنے کے لئے ہمہ تن تیار ہیں۔ لیکن
ابھی مصلحتوں پر نظر ہے۔ فردِ شہدا میں اپنا نام بالکل
آخر میں پاتے ہیں۔ ابھی کئی داغ جگر پر اٹھانا باقی
ہیں۔ صبر کی آخری منزل میں ابھی کچھ وقفہ ہے۔ ایکبار
جو سر اٹھاتے ہیں تو اپنے گردوپیش تمام مجاہدین بنی ہاشم
کو مع ماہِ بنی ہاشم حلقہ بگوش پاتے ہیں۔

معلوم ہوتا ہے کہ نور کی ایک شمع ہے جس پر پروانے
نثار ہو رہے ہیں۔ تمام بنی ہاشم فرطِ ادب سے خاموش
مثل گلدستہ کھڑے ہیں۔ دل اذنِ جنگ طلب کر رہا ہے
اور آنکھیں حصولِ اجازت کی طلبگار ہیں۔ لیکن لب پر
مہر سکوت ہے۔

ناگاہ جناب زینب علیا خاتون مہر سکوت توڑ کر
اپنے بھائی سے مخاطب ہوتی ہیں اور چاہتی ہیں کہ اُن کے
بچے حضرت عون و محمدؑ اپنے ماموں و آقائے دین و دنیا
پر اپنی جانیں نثار کرنے میں پیش قدمی کریں۔

حسینؑ آبدیدہ ہوتے ہیں لیکن مجبور ہیں۔ خود جہاد
پر جانے کے لئے اپنی خواہش کا اظہار کرتے ہیں۔
مگر ان جاں نثاروں کے ہوتے ہوئے یہ ممکن نہیں کہ آقائے
دو جہاں خود جہاد کے لئے روانہ ہوں۔ مجاہدین میں
سے ایک فرد بھی ایسا نہیں ہے کہ مولا کو جہاد پر رخصت
کر دے اور خود زندہ رہنا گوارا کرے۔ جناب زینبؑ
بھی یہ گوارا نہیں کر سکتیں کہ ان کے بچوں کی زندگی میں
بھائی پر کوئی آنچ آئے۔

آقائے دو جہاں خود اپنے پسر علی اکبرؑ کو میدان
میں بھیجنے سے اس لئے مجبور ہیں کہ وہ آپ کی بہن جناب
زینبؑ کی آغوش میں پرورش پائے ہیں اور جناب زینبؑ
نے انھیں اٹھارہ سال کی محنت شاقہ اٹھا کر مثل اپنے
بیٹوں کے پالا ہے۔ ماسوا ان کے حضرت قاسمؑ آپ کے
بھائی کی نشانی ہیں۔ اس لئے مجبور ہیں۔ ہاں آپ کے
بھائی ابوالفضل العباسؑ بھی موجود ہیں۔ مگر آپ لشکر حسینی
کے سپہ سالار ہیں۔ اسلامی علم کے علمبردار ہیں اور حسب وصیت
اپنے پدر بزرگوار علی ابن ابی طالبؑ اُن کی جانب سے
فرزند رسولؐ کے رفیق کار ہیں۔ ان کی وصیت اپنے فرزند
ابوالفضل العباسؑ سے یہ تھی کہ "بیٹا تم اپنی زندگی میں فرزند
رسولؐ یعنی جناب امام حسینؑ کی رفاقت میں سایہ کی طرح

ساتھ رہنا اور ہر مصیبت کے وقت سینہ سپر رہنا۔"

چنانچہ آج حضرت پر انتہائی مصیبت کا وقت ہے ناچار حضرت امام حسین علیہ السلام اپنے بھانجوں کو میدانِ جنگ کی اجازت دیتے ہیں۔ جناب زینبؑ خوش ہوتی ہیں اور ان کی دلی تمنا ہے کہ یہ معصوم بچے آقائے دوجہاں پر صدقے ہو جائیں اور کسی طرح سے بھائی کی بلا رد ہو۔

حضرت عون و محمدؑ پا بہ رکاب ہیں۔ حضرت زینبؑ خوشی خوشی رن کی اجازت دیتی ہیں۔ جانتی ہیں کہ گو دونوں نہایت کم سن ہیں اور تقریباً دو لاکھ کا زغہ ہے لیکن شیر کے بچے شیر ہی ہوا کرتے ہیں۔ فوج کو ہٹا کر نہر تک پہونچنا قرین قیاس ہے۔ چنانچہ آپ سمجھا دیتی ہیں کہ حسینؑ کی پیاس کا خیال رہے۔ حتیٰ کہ شش ماہہ بچہ حضرت علی اصغر بھی پیاس سے نڈھال ہے۔ فرماتی ہیں کہ "ایسا نہ ہو کہ تم اپنی تشنگی بجھا لو اور مجھے جناب رسولِ خداؐ کے سامنے محجوب ہونا پڑے۔"

یہ بچے میدان جنگ میں وہ جوہر دکھاتے ہیں کہ بڑے بڑے شجاعان عرب انگشت بدنداں ہو کر رہ جاتے ہیں۔ بالآخر پیاسے ہی میدان جنگ میں کام آتے ہیں۔

حضرت قاسمؑ کو سخت تشویش ہے کہ وہ کیونکر اذن جہاد حاصل کریں۔ امام حسین علیہ السلام یہی کہتے ہیں کہ تم میرے مرحوم بھائی کی نشانی ہو میں تم کو کیونکر جدا کر سکتا ہوں آپ کو خیال ہے کہ مبادا اپنے ہمچشموں میں محجوب ہونا پڑے۔ اچانک تعویذ پر نظر پڑتی ہے جو حضرت امام حسن علیہ السلام نے ان کے بازو پر باندھا تھا اور کہا تھا کہ "بیٹا جب کوئی تم پر سخت مصیبت کا سامنا ہو تو اس کو کھول کر پڑھ لینا اور جو کچھ لکھا ہو اس پر عمل کرنا۔"

اس وقت سے بڑھ کر اور کونسی سخت گھڑی جناب قاسمؑ کے لئے ہو سکتی تھی۔ جناب قاسمؑ تعویذ کھول کر پڑھتے ہیں۔ یکایک چہرہ پر مسرت کی لہر دوڑ جاتی ہے جبکہ اس میں یہ وصیت پاتے ہیں کہ

"بیٹا۔ حسینؑ فرزند رسولؐ پر جب سخت مصیبت آن پڑے تو تم اپنی جان اپنے چچا پر فدا کرنے سے دریغ نہ کرنا۔"

دوسری وصیت حضرت امام حسنؑ سے یہ تھی کہ وہ حضرت کبریٰ بنت الحسینؑ کا عقد حضرت قاسمؑ سے کر دیں۔

چنانچہ وصیت عقد پوری کرنے کے بعد حضرت امام حسین علیہ السلام حسب وصیت اذن جہاد دینے کے لئے مجبور ہو جاتے ہیں۔ بڑی سخت آزمائش ہے مگر جناب قاسمؑ راہِ وفا میں ثابت قدم ہیں۔ حضرت امام حسینؑ جب انھیں رخصت کرتے ہیں تو آپ کی دستار کو مع تحت الحنک باندھکر بھیجتے ہیں تاکہ دشمنوں پر یہ ظاہر نہ ہو سکے کہ یہ محض تیرہ سالہ بچہ ہے بلکہ ان کا رعب غالب رہے۔

چنانچہ میدان کارزار میں بڑے بڑے نامی پہلوان مقابلہ پر آکر آپ کے ہاتھوں سے واصل جہنم ہوتے ہیں۔ یزید کی فوج لرزاں ہو جاتی ہے۔ لیکن بالآخر آپ بھی جام شہادت نوش کر جاتے ہیں۔

ابھی حضرت امام حسینؑ کو یہ سوچنے کا موقعہ ہی نہیں
ملتا کہ اب کسی کو راہِ خدا میں قربانی کے لئے پیش کریں
کہ ناگاہ خیمہ کے اندر سے جناب سکینہؑ کی آواز آتی ہے
کہ چچا جان پیاس سے جان ہلاکت کے قریب پہونچی
ہے اگر ممکن ہو سکے تو تھوڑا پانی مہیا کریں۔ اس
تشویشناک حالت میں حضرت عباسؑ فوراً پانی لانے
کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔

نزاکتِ وقت کو دیکھ کر حضرت امام حسینؑ بھی آپ کو
پانی لانے کے لئے بھیجنا منظور کر لیتے ہیں۔ لیکن آپ اس
شان سے روانہ ہوتے ہیں کہ ایک ہاتھ میں علم ہے اور
دوسرے میں مشکیزہ۔

سچ پوچھا جائے تو حضرت امام حسینؑ نے آپ کو
مسلح کر کے میدان جنگ میں لڑائی کے لئے بھیجا ہی نہ تھا۔
امام حسین علیہ السلام جانتے تھے کہ یہ ایسا شجیع نوجوان ہے
جس کے مقابلے میں کل فوج مخالفین کچھ بھی وقعت نہیں
رکھتی۔ کچھ عجب نہیں تھا کہ اس شیر کے اگر دونوں ہاتھ اس
طرح روک نہ لئے گئے ہوتے تو میدان جنگ میں کفاروں کے
خون کی ندیاں بہہ گئی ہوتیں۔ اور کفاروں کے تمام حوصلے
پست ہو گئے ہوتے۔ مگر رحمۃ اللعالمین کے فرزند کو یہ
گوارا نہ تھا کہ امت محمدیؐ بالکل تباہ برباد ہو جائے
بعض روایات سے پتہ چلتا ہے کہ ان کفار میں کچھ
ایسے بھی تھے جن کے صلب سے شیعہ پیدا ہونے والے
تھے۔ چنانچہ اسی وجہ سے حضرت علی اکبرؑ کے قاتل کو
امام حسین علیہ السلام نے محض ایک طمانچہ مار کر چھوڑ دیا تھا۔

الغرض جس وقت ماہ بنی ہاشم حضرت ابوالفضل العباسؑ
اپنے پورے لباس میں ملبوس ہو کر ایک ہاتھ میں علم اور
دوسرے میں مشکیزہ لے کر گھوڑے پر سوار ہوتے ہیں اور
میدان کی جانب رُخ کرتے ہیں۔ تو ان کی شان و شوکت
اور شجاعت سے ایک مرتبہ علیؑ کی تصویر آنکھ میں پھر جاتی
ہے۔ اور فوج مخالف میں آپ کی ہیبت سے سناٹا چھا جاتا
ہے۔ خوف کے مارے دشمنوں کے پتے پانی ہوئے جاتے
ہیں۔ یہ شیر میدان جنگ میں مبارز طلبی کرتا ہے لیکن
کون ہے جو اس کا مقابلہ کرے؟ کچھ نابکار یہ خیال کرکے
کہ اگرچہ شیر ہے لیکن تین دن کا بھوکا پیاسا ہے۔ اور اگر
کہیں پانی اس کے ہاتھ لگ گیا تو پھر اس کا مقابلہ ناممکن ہے
اس لئے ایک بار ٹوٹ کر حملہ آور ہوتے ہیں لیکن یہ بہادر
شجاع ابن شجاع غازی ابن غازی جس صف کی جانب
مخاطب ہوتا ہے سیکڑوں تن بے سر کا انبار نظر آتا ہے۔
کفار گھاٹ چھوڑ چھوڑ کر فرار ہو جاتے ہیں۔

حضرت عباسؑ علمبردار اپنا گھوڑا نہر فرات میں ڈال دیتے
ہیں اور اطمینان سے مشکیزہ بھر لیتے ہیں۔ اور ایک چلو
پانی نہر سے اٹھاتے ہیں اور پھر پھینک دیتے ہیں۔

اس واقعہ پر اکثر مورخین کا خیال ہے کہ شاید آپ کو
امام حسینؑ اور ان کے عیال و اطفال کی پیاس کا خیال
نہ رہا ہوگا۔ بلکہ جب خیال آیا ہوگا تو آپ نے چلو سے
پانی پھینک دیا ہوگا۔ اگرچہ بشریت کے لحاظ سے اس قسم کا

واقعہ ممکن ہو سکتا ہے لیکن حضرت ابوالفضل العباسؑ کی سیرت کا بالاستیعاب مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی ہستی اس سے کبھی کہیں بالاتر ہے کہ آپ حضرت امام حسینؑ اور ان کے عیال و اطفال کی پیاس کو ایک لمحہ کے لئے بھی فراموش کر سکیں۔ اول تو بچوں ہی کی پیاس کو مد نظر رکھ کر آپ مشکیزہ لے کر تشریف لائے تھے دوسرے آپ مجسم تصویرِ وفا تھے ایک لحظہ بھی آپ نے امام حسینؑ اور ان کے اطفال کی پیاس کے منظر کو اپنی آنکھ سے اوجھل نہیں ہونے دیا۔ ہر ممکن طریقے سے آپ خدمت امام حسینؑ میں کمر بستہ رہے۔ ہر مقام پر آپ مثل سایہ کے ساتھ رہے اور ہر آفت کے موقع پر آپ سینہ سپر رہے۔

قرینہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عباسؑ کا نہر سے چلو میں پانی لے کر منھ کے قریب تک لے جانے سے پانی پینے کا مطلق ارادہ نہ تھا بلکہ ملاعین پر اس امر کا اظہار مقصود تھا کہ تم اپنی اکثریت پر نازاں مت ہو۔ ہم باوجود تین دن کی بھوک و پیاس کے دریا کو یوں قبضہ میں کر سکتے ہیں لیکن باوجود اس کے ہم اپنے نفس پر حاوی ہیں۔

دوسرے ممکن ہے کہ علیؑ کے شیر کو یہ خیال ہو کہ مبادا مدت مدید کے بعد لوگ یہ خیال کرنے لگیں کہ عباسؑ سا بہادر جوان بھی گھاٹ پر قابض نہ ہو سکا اور نہر کے کنارے ہی پسپا ہو کر ہلاک کر دیا گیا۔ لیکن یہ واقعہ بتارہا ہے کہ آپ دریا پر قابض ہو چکے تھے اور مشکیزہ بھر کر نہر سے نکلنا اور بعد میں تیر لگ کر پانی بہہ جانا اس بات کو ثابت کرتا ہے کہ آپ کا قبضہ ہو گیا، یہ مکمل ہو چکا تھا۔

بعض مورخین اس بات کو سمجھنے سے عاجز ہو رہے ہیں کہ ہزار ہا فوج کے مقابلے میں بہتر تن وہ بھی تین روز کے بھوکے و پیاسے کیونکر مقابلہ کر سکتے ہیں مگر حضرت ابو الفضل العباسؑ کا صرف یہی واقعہ اس امر پر کافی دلالت کرتا ہے کہ فوج حسینی کا ایک ایک فرد لاکھوں پر بھاری تھا۔

بتیس برس کا کڑیل جوان۔ شجاعت کا دھنی، مرد میدان جب مشکیزہ بھر کر نہر سے باہر آتا ہے تو کیا دیکھتا ہے کہ روباہوں کی قطاریں کالے بادلوں کی طرح سے پھر سمٹ کر آرہی ہیں۔ ماہ بنی ہاشم کو عنقریب حلقہ میں لیا چاہتی ہیں۔ جرأت کا تقاضا ہے کہ ایک مرتبہ پھر جنگ کے وہ جوہر دکھائیں کہ کفر کے سیاہ بادل درہم برہم ہو کر ایسے مفقود ہو جائیں کہ بجز خون کی ندیوں کے کچھ نظر نہ آئے۔ لیکن وفا کا آج یہ تقاضا ہے کہ اپنے جسم کو ڈھال بنا کر جان سے زیادہ عزیز مشکیزہ کو کسی صورت سے بچایا جائے۔ خواہ اس کے بچانے میں ہاتھ قلم ہو جائیں یا جسم میں تیر پیوست ہو جائیں۔

اُف کیسا زبردست امتحان تھا کہ باوجود شجیع ہونے کے اور اپنے جسم میں بے پناہ طاقت کو محسوس کرنے کے اس وقت اپنے جوہر دکھانے کا موقعہ نہیں پاتے ہیں۔ بلکہ آپ کے پاس پانی سے بھری ہوئی مشک سی نازک چیز جان سے عزیز تر مگر ایسی غیر محفوظ حالت میں ہے کہ

کفار دور سے تیر کا نشانہ نہ بنا سکیں۔ جرأت دکھانے کا
موقعہ ہی کہاں ہے۔ ہاں وفا کا پیہم یہی تقاضا ہے کہ
حسینؑ کے بچوں پر صدقے ہو کر مشکیزہ کو بچانے کے لئے
جان پر کھیل جائیں۔ چنانچہ یہ میدان وفا کا شہسوار
اپنی انتہائی جرأت کا ثبوت دے کر مشکیزہ کو بچانے
کی کوشش کرتا ہے۔ جسم میں اس قدر تیر پیوست ہو
جاتے ہیں کہ آپ کا جسم مثل ساہی کے نظر آتا ہے۔
جسم پارہ پارہ ہو جاتا ہے۔ ہاتھ قلم ہونے پر تو
مشکیزہ دانتوں میں دبا لیتے ہیں لیکن مشکیزہ پر تیر
لگتے ہی جیسے جیسے پانی بہنا شروع ہوتا ہے آپ کی
روح بھی قفس عنصری سے پیمان وفا کو لے کر پرواز
کر جاتی ہے۔ وفاداری کا ثبوت دے کر آج آپ
سُرخرو ہیں لیکن حیا ایسی غالب ہوتی ہے کہ آپ
پسند نہیں فرماتے کہ اس سُرخروئی کے ساتھ بھی
خیمۂ حسینؑ میں لے جائے جائیں۔ حضرت سکینہؑ سے
محجوب ہیں۔ چنانچہ ترائی ہی کو اپنا مسکن بنانا تجویز
کرتے ہیں۔ وفا اور حیا کے آئینہ میں آج بھی آپ کی
بے مثال شجاعت اور ایمانِ کامل کی تصویر نظر آرہی ہے

اب حسینؑ کے ماسوا فرد مجاہدین میں صرف
حضرت علی اکبرؑ اور شش ماہہ مجاہد جناب علی اصغرؑ باقی
ہیں۔ جناب زینبؑ کا ہراس اور تشویش بڑھتی جاتی
ہے۔ وہ ہر ممکن طریقے سے اپنے بھائی جناب امام حسینؑ
علیہ السلام کو بچانے میں کوشاں ہیں۔ سید الشہداء اپنے
برابر کے بھائی، قوت بازو، علمدار لشکر اور ماہ بنی ہاشم کی
شہادت سے سخت بے چین ہیں۔ ناگاہ علی اکبرؑ آپ کی
خدمت میں حاضر ہو کر اذن جہاد چاہتے ہیں۔ علی اکبرؑ
کا جدا کرنا کوئی معمولی بات نہیں ہے۔ برابر کا پسر ہے۔
نبیؐ کی تصویر ہے۔ نور نظر ہے۔ سیرت و صورت، رفتار و
گفتار میں اپنے نانا جناب رسولؐ خدا سے بہت مشابہ ہیں۔
ضعیف باپ کہاں سے ایسا جگر لائے کہ اپنے ایسے نونہال
کو اپنی آنکھوں سے جدا کرے۔

خیال کیجئے کہ حضرت یعقوب سے پیغمبرؑ یہ جانتے
ہوئے کہ حضرت یوسف زندہ ہیں لیکن ان کی فرقت
میں اس قدر بے تاب ہوتے ہیں اور اتنا گریہ کرتے
ہیں کہ آنکھیں سفید ہو جاتی ہیں۔ لیکن حضرت امام حسین
علیہ السلام کے صبر کی منزلوں کی کوئی انتہا ہے کہ اپنی
آنکھوں کے نور یعنی علی اکبرؑ سے فرزند نوجوان کو بھی
راہ خدا میں پیش کرنے سے دریغ نہیں فرماتے ہیں
البتہ آپ فرماتے ہیں کہ جاؤ پہلے جناب زینبؑ کی خدمت
میں حاضر ہو کر اجازت حاصل کرو اس لئے کہ انھوں نے
تم کو مثل اپنے بیٹے کے پالا ہے۔ جناب علی اکبرؑ حضرت
زینبؑ کی خدمت میں حاضر ہو کر اجازت طلب کرتے ہیں
جناب زینبؑ علیا خاتون جب یہ دیکھتی ہیں کہ بھائی کو
بچانے کی اور کوئی تدبیر نہیں ہے، الّا یہ کہ حضرت علی اکبرؑ
کو میدان کی اجازت دی جائے تو ناچار اپنی طرف سے
اجازت دیتی ہیں۔ علی اکبرؑ خوش خوش جناب

بانی ادارہ اقتصادیات - امام جمعہ - سرکار عمدۃ العلماء
مولانا سید کلب حسین صاحب مجتہد مدظلہ

جناب مولانا سید سکندر حسین صاحب خلف
جناب محقق ہندی اعلیٰ اللہ مقامہ

روضہ حضرت فاطمہ خواہر امام رضا ... معصومہ قم

ا س محمد عباس صاحب طالب مدون
(مس آباد)

سرکار سعید الملت مولانا سید محمد سعید صاحب مجتہد

سید الشہداؑ کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں۔ آپ انکو جناب شہربانوؑ کی خدمت میں بھیجتے ہیں جب وہاں سے بھی اجازت مل جاتی ہے تو حضرت علی اکبرؑ کی پوشاک طلب کرتے ہیں۔ غضب کا موقعہ ہے کہ یعقوب کربلا اپنے نورِ نظر یوسف جمال کو اپنے ہاتھ سے پوشاک پہنا کر اور عمامہ باندھ کر میدانِ جنگ میں بھیجتے ہیں خیال تو کیجئے کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ جیسا پیغمبر جب اپنے فرزند اسمٰعیلؑ کی قربانی پیش کرتا ہے تو اپنی آنکھوں میں پٹی باندھ لیتا ہے مگر خلیلِ کربلا اپنے فرزند کو خود پوشاک پہنا کر بارگاہِ الٰہی میں اپنے فرزند کی قربانی کا ہدیہ پیش کر رہے ہیں اور فرزند بھی کیسا فرزند کہ رشک یوسفؑ۔ ہمشکل پیغمبرؐ جس کو دیکھ کر ایک مرتبہ جناب رسالتمآبؐ کی تصویر آنکھوں میں پھر جاتی ہے۔

ہاں جناب علی اکبرؑ کو جس وقت میدان جنگ کی جانب سوار کر کے بھیجتے ہیں تو اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی جانب بلند کر کے فرماتے ہیں کہ

"خداوندا تو گواہ رہ کہ میں قوم جفاکار کی جانب اس کو بھیجتا ہوں جو صورت میں سیرت میں رفتار میں گفتار میں تیرے حبیب جناب رسولؐ خدا سے بہت مشابہ ہے"

فوج مخالف میں اس وقت بہت سے ایسے بھی تھے جنھوں نے جناب رسالتمآبؐ کو اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا دشمنانِ خدا نے جس وقت اس یوسف جمال کو میدانِ جنگ میں دیکھا ہوگا تو یقیناً نبیؐ کی تصویر آنکھوں میں پھر گئی ہوگی لیکن طمع دنیا کا بُرا ہو جس نے اس نبیؐ کی بھی کوئی توقیر نہیں کی جس کا کہ خود کلمہ پڑھتے تھے۔

حضرت علی اکبر علیہ السلام نے جو جراُت میدان جنگ میں دکھائی وہ اپنی آپ نظیر ہے۔ کفار مقابلہ کی تاب نہ لا کر فرار ہو گئے۔ مگر علی اکبرؑ پیاس سے نڈھال تھے۔ جب کسی کو مقابلے پر نہ پایا تو خیمہ امام حسین علیہ السلام کی جانب رُخ کیا اور بارگاہِ امام دوجہاں میں عرض کی کہ

"بابا جان پیاس مجھے ہلاک کئے ڈالتی ہے۔ کیا تھوڑا سا پانی ممکن ہو سکتا ہے تاکہ یہ خادم پھر اسی جراُت سے میدانِ جنگ میں اپنے جوہر دکھائے"

حضرت امام حسین علیہ السلام اپنے فرزند کے سوال کو رد نہ کرتے ہوئے اپنے منھ میں ان کی زبان لیتے ہیں کہ شائد آپ کے منھ کی خنکی سے حضرت علی اکبرؑ کو کچھ تسکین ہو۔ لیکن حضرت علی اکبرؑ اپنی زبان فوراً باہر نکال لیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ

"بابا جان آپ کی زبان تو مجھ سے بھی زیادہ خشک ہے"

آپ اپنی انگوٹھی دیتے ہوئے یہ فرماتے ہیں کہ "جاؤ بیٹا یہ انگوٹھی اپنے منھ میں رکھ لو اور مصروف جہاد ہو عنقریب تم کو جناب رسولؐ خدا حوضِ کوثر سے سیراب کریں گے"

یہ بشارت سُنکر آپ دوبارہ میدان جنگ میں تشریف لاتے ہیں اور پھر سیکڑوں کفار کو واصل جہنم کر کے

مردانہ وار مقابلہ کرتے ہوئے شہید ہو جاتے ہیں۔

اب اس کے بعد جناب امام حسین علیہ السلام خیمے میں رخصت ہونے کے لئے تشریف لاتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ جہاد کے لئے روانہ ہوں۔ مگر ششماہہ مجاہد جناب علی اصغر کو کہاں تاب ضبط۔ اپنے کو رو رو کر جھولے سے گرا دیتا ہے۔ اہلحرم خیال کرتے ہیں کہ آپ پیاس سے جاں بلب چند لمحوں کے مہمان ہیں۔ گھبرا کر امام حسینؑ کے ہاتھوں پر رکھ دیتے ہیں۔ اس صورت سے یہ ششماہہ مجاہد میدان جنگ میں پہونچتا ہے۔

اللہ اللہ اس ننھے مجاہد پر نظر کیجئے اس کی سواری ملاحظہ کیجئے۔ ان کے عزم پر نظر کیجئے۔ یہ سن اور میدان جنگ! دیکھنے میں تو آپ کا میدان کربلا میں آنا کچھ معنی نہیں رکھتا۔ مگر واللہ جو جہاد کہ اس ننھے مجاہد نے کیا ہے وہ اپنی جگہ آپ ہی نظیر ہے۔ یہ جہاد بھی تاریخ میں لاثانی اور بے نظیر ہے جو جہاد آپ نے کیا ہے وہ بڑوں بڑوں سے نہیں ہو سکتا تھا۔ خنجر تو لاکھوں تیز تھے مگر اس ننھے مجاہد کی موجودگی نے سخت دلوں پر وہ ضرب کاری لگائی کہ دل ہل گئے لوگ ڈاڑھیں مار مار کر رونے لگے۔ اگر حرملہ بن کاہل اسدی ملعون نے گلے میں تیر سہ شعبہ مار کر جلد ہلاک نہ کر دیا ہوتا تو عجب نہیں تھا کہ تمام فوج کے دلوں پر آپ تسخیر حاصل کر لیتے۔

وہ کونسا پتھر دل ہوگا جو ان کی موجودگی میں موم نہ ہو گیا ہو اور وہ کون سنگدل آنکھ تھی جس نے انھیں دیکھ کر آنسو نہ ٹپکا دیئے ہوں۔

آج ساڑھے تیرہ سو برس بعد بھی آپ کی شہادت وہ آئینہ پیش کرتی ہے جس میں حق و باطل کا امتیاز بخوبی ہو سکتا ہے۔ آج اسی معصوم کی شہادت نے بڑے سے بڑے مخالف اہل قلم کے دانت کھٹے کر رکھے ہیں۔

جب معصوم مجاہد علی اصغر شہید ہو گئے تو تنہا حسینؑ فرد شہداء رہیں باقی رہ گئے۔۔۔۔ بھرا گھر آپ نے چند گھنٹوں میں راہ خدا میں لٹا دیا۔ خیمے میں اب یا تو ناموس حسینؑ تھے یا ایک بیمار فرزند حضرت سجادؑ جن کو اس شدت کا تپ تھا کہ غش پر غش آ رہے تھے اور جن پر سے جہاد ساقط تھا۔ حسینؑ اب راہ خدا میں آخری ہدیہ پیش کرنے جاتے ہیں یعنی خود بہ نفس نفیس اپنی قربانی راہ خدا میں پیش کرتے ہیں۔ راہ وفا کی سب منزلیں طے ہو چکی ہیں۔ یہ آخری منزل باقی ہے۔

حضرات کہاں سے جگر لاؤں جو حسینؑ کی مشکلات کا خاکہ آپ کے سامنے پیش کروں۔ آہ عاشور محرم کا دن ہے۔ ابھی چند گھنٹوں کی بات ہے کہ آپ کے خیمے میں بڑے بڑے نامی بہادر، جان نثار، حق پرست، بچپن کے دوست، برابر کا بھائی قوت بازو، اٹھارہ سال کا نوجوان پسر ہمشکل پیغمبرؐ، عزیز و انصار غرض سب ہی موجود تھے۔ ہاں ایک نایابی آب پریشان کن تھی۔ لیکن اب چند گھنٹوں کے بعد کیسے کیسے نوجوان، بہادر، جان نثار، پرانے رفیق، بھانجے، بھتیجے بھائی

اور بیٹے جن کی نظیر دنیا پیدا نہیں کر سکتی۔ آنکھوں کے سامنے سدھارے گئے، اور جن کی مفارقت سے وہ زبردست صدمہ پہونچا کہ آپ کے تمام بال سفید ہو گئے۔ آپ کی آنکھوں کی روشنی جاتی رہی۔ برابر کے بھائی اور نوجوان بیٹے کی مفارقت نے کمر توڑ دی۔ بھوک کا کوئی سوال نہیں تین دن کی پیاس نے نڈھال کر رکھا ہے۔ عزیز و انصار کی مفارقت نے ایک دل پر ہزار طرح سے برچھیاں چلا دی ہیں، دل میں داغ کیا بلکہ ناسور پڑ گئے ہیں۔

جب خیمے میں آخری رخصت کے لئے حسینؑ آتے ہیں تو عجب ہولناک منظر ہوتا ہے۔ یہ معلوم ہوتا ہے کہ گویا گھر سے جنازہ نکل رہا ہو۔ بے والی و وارث ناموس میں عجب کہرام بپا ہے۔ حسینؑ صبر کی تلقین کر رہے ہیں تنہائی کا وہ عالم ہے کہ گھوڑے پر سوار کرنے کے لئے بھی کوئی موجود نہیں۔ فقط اسپ باوفا خاموش کھڑا ہے۔ آپ سوار ہوتے ہیں تو آپ کی بہن جناب زینبؑ رکاب تھامتی ہیں۔ لیکن ہجوم غم سے آپ پر غشی طاری ہو جاتی ہے۔ باوفا گھوڑا ایک قدم بھی آگے نہیں سرکتا۔ حسینؑ فرماتے ہیں کہ

"اے رفیق تھوڑی دیر اور وعدہ وفا ہونے میں ہے دیر نہ کر اور جلد قدم بڑھا" لیکن اسی اثنار میں آپ کی نظر جناب زینبؑ پر پڑتی ہے۔ آپ رکاب سے لپٹی ہوئی ہیں یہ دیکھ کر حسینؑ اپنی غربت پر خود آنسو بہا دیتے ہیں۔

آپ کو وہ صدمۂ جانکاہ ہوتا ہے جو احاطۂ تحریر سے باہر ہے۔ آپ اپنی بہن کو علیحدہ کر کے گھوڑے کو جولاں کرتے ہیں۔ اور کفار کے سامنے آخری استغاثہ پیش کرتے ہیں، وہ استغاثہ ایسا پُر اثر ہوتا ہے کہ شجر و حجر تک جنبش میں آجاتے ہیں۔ ملائکہ مقربین میں تہلکہ مچ جاتا ہے اور اجنّات تک آپ کی نصرت کے لئے حاضر ہوتے ہیں۔ مگر حسینؑ ایسا عاشق خدا ہے کہ اس کو سوائے اپنے خدا کے کسی کی بھی احتیاج نہیں۔ ناچاراً جنّات اپنے مقام پر واپس جاتے ہیں۔ استغاثہ کے جواب میں کفار جنگ کی ابتدا کرتے ہیں۔

امام حسین علیہ السلام کو جلال آجاتا ہے اور تھوڑی دیر کے لئے وہ شدید حملہ کرتے ہیں کہ کفار میدان چھوڑ چھوڑ کر بھاگ جاتے ہیں۔ کشتوں کے پشتے اور لاشوں کا انبار نظر آتا ہے۔ اس حالت میں ایسی جرأت کا نمونہ کبھی دنیا نے پیش کیا ہے اور نہ کر سکتی ہے۔ حسینؑ کو صرف یہ بتانا منظور تھا کہ اس مجبوری کی حالت میں بھی وہ کیا کچھ کر سکتے ہیں۔ مگر اُمت محمدیؐ کا خیال دامنگیر ہوتا ہے۔ اور یکایک تلوار میان میں کر لیتے ہیں۔ اسی اثنار میں نمازِ عصر کا وقت ہوتا ہے۔ آپ تھوڑی مہلت طلب کر کے نماز ادا کرتے ہیں۔ لیکن ابھی حسینؑ آخری سجدے ہی میں ہوتے ہیں کہ شمر سفاک اپنی کند چھری سے آپ کا سر اقدس بدن سے جدا کرنے کی تیاری کرتا ہے۔ حسینؑ کے لب ہلتے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔ شمر سمجھتا ہے

کہ حسینؑ شائد اس کے لئے بد دعا کر رہے ہوں گے۔ مگر جب کان لگا کر سنتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ دُعا فرما رہے ہیں کہ "بارِ الہٰا تو میرے نانا کی اُمت کو بخش دیجیو۔ خداوندا تجھ سے جو وعدہ میں نے کیا تھا وہ آج وفا ہوتا ہے۔ یہ بھی تیری ہی عنایت ہے۔ یا اللہ میں تیری درگاہ میں امت محمدؐی کی شفاعت کا خواستگار ہو کر آیا ہوں۔"

ملعون جب یہ سنتا ہے تو بے اختیار آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے ہیں۔ مگر طمع زر میں ظالم بالآخر اس فعل قبیح کا مرتکب ہوتا ہے جس سے سارا عالم بیتاب ہو جاتا ہے۔ زمین لرز جاتی ہے۔ آسمان خون روتا ہے اور آفتاب کو گہن لگ جاتا ہے۔ حسین علیہ السلام وفا کی آخری منزل ختم کر کے بارگاہ رب العزت میں سُرخرو پہونچ جاتے ہیں۔

الا لعنۃ اللہ علیٰ قوم الظالمین

شہیدِ کربلاؑ

از جناب سید محمد عادل صاحب عادل صدر الافاضل
سلطان المدارس لکھنؤ

اس طرح روح کو غمگین بنایا تو نے
درد کو باعث تسکین بنایا تو نے

خون میں لوٹنے والے تری ہمت پہ نثار
رُخِ اسلام کو رنگین بنایا تو نے

گو نہ تبلیغ رسالت میں کمی تھی کوئی
دین خالق کو مگر دین بنایا تو نے

جو زمیں مرکز آفات و بلیات رہی
آج اُسے لائق تزئین بنایا تو نے

ہونے پایا نہیں اسلام کا پلّہ ہلکا
نقد جاں دے کے جو سنگین بنایا تو نے

مستبد دورِ یزیدی کو روش سے اپنی
لائق لعنت و نفرین بنایا تو نے

منتشر مصحف آیات الٰہی تھا مگر
دیکھے سر لائق تدوین بنایا تو نے

لائق مدح نہ تھا عادلِ بے مایہ کبھی
ہاں اُسے مرکز تحسین بنایا تو نے

قطعہ

واہمہ کو صورت تحقیق بنایا تو نے
اس تصور کو بھی تصدیق بنایا تو نے

شکل تحصیل حیات ابدی تھی جو یہی
موت کو مقصد تخلیق بنایا تو نے

بین الاقوامی ہیرو

(از جناب مولانا سید عنایت حسین صاحب جلالوی)

انسان کو بیدار تو ہو لینے دو
ہر قوم پکارے گی ہمارے ہیں حسینؑ

دنیا کبھی پیشواؤں سے خالی نہیں رہی' ہر دور میں مہاتما اور اوتار پائے گئے آج بھی زمانہ بہت سے لیڈروں کو ہیرو کے نام سے یاد کر کے ان کی مدح و ثنا کے گیت الاپتا رہتا ہے لیکن میرا عقیدہ ہی نہیں دعویٰ اور زبردست دعویٰ ہے کہ جس طرح واجب الوجود اپنے صفات میں فرد واحد ہے اسی طرح کربلا کے چٹیل میدان میں جس شہید نے اپنا خشک گلا اور مقدس سینہ یزیدی تلواروں اور برچھیوں کے سامنے پیش کیا۔ شہدائے راہ خدا میں بس اپنی آپ مثال و نظیر ہے۔ میں کربلا کے ہیرو کو نہ نبی مانتا ہوں نہ رسول کے نام سے یاد کرتا ہوں اور نہ کبھی اوتار کہوں گا لیکن ہاں اتنا جانتا ہوں کہ اس خدا کے نیک بندے نے دنیا میں وہ کارنامہ مرقوعہ پیش کیا جو اس دنیا میں نہ کوئی رسول کر سکا اور نہ اوتار۔ دنیا کی تاریخیں چھان ڈالئے کہیں بھی کربلا کا سا میدان' ایک بلندی پر بھوکا پیاسا مہمان' ہاتھوں کی ایک شش ماہہ نیم جان' کسی بھی انداز میں نظر نہ آئے گا۔

آج یہی وجہ ہے کہ جناب جوشؔ جیسا آزاد انسان بھی اپنے جذبات نہ چھپا سکا۔ اور مذکورۂ بالا شعر میں خراج عقیدت پیش ہی کر دیا اور جوشؔ ہی کیا دنیا کا ہر وہ انسان جو خالق کون و مکان کے وجود میں شک کرتا ہو' انبیاء و رسل کا قائل نہ ہو' مذہبی پابندیوں اور زنجیروں کو تار عنکبوت کی برابر بھی نہ سمجھتا ہو۔ حسینؑ کا ضرور حلقہ بگوش ہو گا۔ اس لئے میرا دعویٰ ہے کہ رسولؐ عربی کا لخت جگر' دنیا کا سب سے بڑا فاتح۔ حسین مظلوم کسی خاص ذات و جماعت سے مختص نہیں بلکہ بین الاقوامی ہیرو کی حیثیت کا مالک ہے۔

ہیرو انگریزی زبان کا لفظ ہے لہذا ضرورت ہے کہ ڈکشنری (انگریزی لغت) اٹھا کر دیکھا جائے کہ اس مقدس و محترم لفظ کی کیا تعریف کی گئی ہے۔ وہاں "غیر معمولی شجاعت' ہمت و استقلال کے مجسمہ کا نام ہیرو ہے"۔

اب ہمیں سب سے پہلے اس میزان پر اپنے ہیرو کو جانچنا چاہیئے اور دیکھنا چاہیئے کہ اس مفید کسوٹی پر ہمارا ہیرو پورا اترتا ہے یا نہیں۔

جب کسی انسان کے کارناموں پر تنقیدی نگاہ ڈالی جاتی ہے تو سب سے پہلے یہ دیکھا جاتا ہے کہ اس کون سے زمانہ کی آغوش میں پرورش پائی اور اس کے واقعات زندگی کس زمانہ سے تعلق رکھتے ہیں اور اگر اس خیال کو نظر انداز کر دیا جائے تو آج بڑے بڑے پیشوایان مذہب خواہ وہ کسی بھی دین و سماج کے ہادی و اوتار ہوں ان کے کارنامے ایک بے حقیقت مایہ نظر آئیں گے۔ لیکن ہمارے ہیرو کو دنیا جس نگاہ سے بھی دیکھے زمانہ جس دور میں اس کی زندگی کا مطالعہ کرے۔ ایک اعلیٰ اور بلند حیثیت کا ہیرو تسلیم کرنا پڑے گا۔

لہٰذا عالم اب معینہ کسوٹی پر ہمارے ہیرو کو بغیر کسی زمانہ کا لحاظ کئے ہوئے پرکھے۔ اور تاریخ کی روشنی میں اس بہادر کی شجاعت، ہمت و استقلال کا گہری نظر سے مطالعہ کرے۔ کربلا کے جانباز نے ان ماں باپ کے آغوش میں پرورش پائی تھی۔ جنھوں نے اسلام کا ہر نشیب و فراز ہر بلندی و پستی پر جنگ و صلح کا عمیق نظر سے مطالعہ فرمایا تھا۔ اور صرف مطالعہ ہی نہیں بلکہ بانیٔ اسلام کے دوش بدوش وہ کارنامے اور شجاعت و استقلال کے وہ نمونے پیش کئے تھے کہ آج بھی تاریخ عالم میں سنہری الفاظ میں دکھائی دیتے ہیں۔ پھر جب ایسی گودوں میں آنکھیں کھولیں، پلے، بڑھے، تو پھر حسینؑ شجاع نہ ہوتے تو اور کون بہادر ہوتا۔ اگر نہیں تو تاریخ کی ورق گردانی کیجئے اور ڈھونڈھ کر مثال پیش کیجئے ذرا تصور تو فرمایئے کہ ایک بیکس و مجبور و مجروح، بے یار و مددگار مظلوم خود بھی پیاسا اور چھوٹے چھوٹے بچوں کی صدا العطش کی دل ہلا دینے والی آوازیں سامنے تڑپتے ہوئے عزیزوں کے لاشے۔ پیش نظر موجیں مارتا دریا مقابل میں ہزاروں کا لشکر۔ کیا کوئی مثال ہے کہ ایسے وقت میں جنگ کرنا تو بڑی چیز کسی انسان کے ہوش و حواس بھی بجا رہے ہوں۔ لیکن ہاں کربلا کا ہیرو نظر آتا ہے ایسے نازک وقت میں بھی اس شجاع عالم نے وہ آخری جنگ کی کہ ہمیشہ ہمیشہ شجاعت ممنون احسان رہے گی اور رہتی دنیا تک چرچے ہوتے رہیں گے۔ ہمت، بس یہ مشہور ہے کہ جوں جوں رنج و الم بڑھتے جاتے تھے حسینؑ کا چہرہ بشاش ہوتا جاتا تھا۔

استقلال۔ بس نہ پوچھئے وہ مواقع اور منزلیں جہاں عام انسانوں کا تو ذکر کیا انبیاؑ اولو العزم نہ جھکے مثلاً وہ موقع جہاں پر حضرت ابراہیم نے آنکھوں پٹی باندھی تھی۔ حضرت ایوب سے دامن صبر چھوٹ گیا تھا جناب یعقوب روتے روتے بینائی کھو چکے تھے، حسینؑ کے قدم یوں جمے کہ کسی لمحہ بھی ثبات قدم میں تزلزل نہ ہونے

پایا اور دکھا دیا کہ استقلال اس کو کہتے ہیں، استقلال ایسا ہوتا ہے۔ بس مجھے کہنے دیجئے کہ شجاعت، ہمت، استقلال ہی کا نام حسینؑ تھا۔ جب یہ ثابت ہو چکا کہ حسینؑ ایک ہیرو کی پوزیشن تو ضروری رکھتے ہیں۔ تو اب میں یہ پیش کرنا چاہتا ہوں کہ وہ صرف ہمارے یا کربلا کے ہی ہیرو نہ تھے بلکہ بین الاقوامی ہیرو ہیں۔ اب ایک ایسی ہستی جو دنیا کی پیشوا یا لیڈر کہی جائے اس کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ اس قربانی کے آئین اپنے ملک و قوم ہی تک محدود نہ رہ جائیں بلکہ جس قدر دنیا کے حدود میں وسعت ہوتی جائے اسی قدر اس ایثار کے گہرے اثرات بڑھتے جائیں۔ تو کیا حسینؑ کی قربانی صرف اپنی قوم و ملک ہی تک محدود تھی نہیں نہیں، بلکہ جہاں انسانیت کا وجود دکھائی دیتا ہے وہاں مدبر اعظم کی قربانی کا اثر بھی دنیا کے جس جس گوشہ میں قومیں آباد ہیں وہیں حسینؑ اور دنیا کے شہید اعظم کے ایثار سے مستفیض ہو رہی ہیں کیونکہ دنیا کی تمام تر قومیں انسانیت کی چاردیواری میں محدود ہیں۔ اور یہ کون نہیں جانتا کہ مجاہد اعظم نے اپنا اور اپنے ساتھیوں کا سُرخ سُرخ خون کربلا کی ریتلی زمین پر صرف انسانیت کے تحفظ بقا کے لئے بہایا تھا۔ حسینی شہادت کا اعلیٰ اور بلند مقصد اسلامی پردہ میں صرف انسانیت کو بچانا اور اس کے مدارج کو بلند کرنا تھا کیونکہ یزید صرف اسلام کا جانی دشمن نہ تھا۔ بلکہ انسانیت کے گلے پر دودھارا خنجر پھیر رہا تھا۔ وہ یہ عہد کر چکا تھا اور اس کا تہیہ کر کے اٹھا تھا کہ تو سہی کہ دنیا میں پھر وہ دور پلٹا دوں جو اسلام سے قبل تھا اور جس زمانہ کی بدولت عرب آج تک بدو اور وحشی کہے جاتے ہیں لیکن وہ انسان کامل جس نے تہذیب و تمدن کے گہوارے میں پرورش پائی تھی۔ یہ نہ دیکھ سکا کہ انسانیت الٹی چھری ذبح ہو جائے فوراً۔ رضا کی قبا پہنی صبر کا پٹکا باندھا، شجاعت کی تلوار حمائل کی اور اس حیوانیت و بربریت کے مجسمہ کے مقابل ڈٹ گیا جو انسانیت کو دنیا سے نیست و نابود کرنے کی ٹھان چکا تھا۔ آخرکار ہیرو نے جو سوچا تھا وہ ہو کر رہا۔ اپنی کل کائنات دے کر سفینۂ حیات انسانی کو ڈوبنے سے بچا لیا۔

تو کیا بنی نوع انسانی کے لئے اس سے بڑا محسن اور کوئی ہے جس نے شجر انسانی کی اپنے خون سے آبیاری کی ہو۔ کیا اب بھی دنیا حسینؑ کو بین الاقوامی ہیرو تسلیم نہ کرے گی، نہیں نہیں، کوئی زبان سے تسلیم کرتا ہے اور کوئی اس جادہ اور مسلک پر گامزن ہو کر بتاتا ہے۔ مسٹر لوتھر نے جو دنیائے مسیحیت میں اصلاح کا علم بلند کیا وہ اسی قربانی کا اثر و جذبہ تھا۔ ٹالسٹائی نے روس میں جو مساوات کے احساسات و جذبات عالمگیر کئے وہ اسی قربانی کے نتائج سے خوشہ چینی تھی اور آج جو مہاتما گاندھی۔ مہاتما بنے ان کے دل میں آزادی کا جذبہ غلامی سے نفرت، قربانی و ایثار کا مادّہ پیدا ہوا

کربلا ہی کا ایک ادنیٰ پڑھایا ہوا سبق ہے - یہ تو عملی مثالیں تھیں اور کچھ ایسے بھی ہیں جن کے قلم اس بین الاقوامی ہیرو کی مدح و ثنا میں سرشار ہیں۔ مسٹر گبن جیسا مورخ جو کچھ پیش کر سکتا تھا قلم کے ذریعہ نذرانہ پیش کر چکا۔ کون نہیں جانتا کہ طوطی ہند مسز سروجنی نائیڈو نے کس انداز میں الفاظ کے موتی پروئے ہیں -

علاوہ ان کے جس جس سے جو ہو سکا اس نے نذر عقیدت ادا کر کے دنیا کو بتا دیا کہ کربلا کا شہید کسی خاص گروہ سے تعلق نہیں رکھتا بلکہ بین الاقوامی ہیرو ہے -

لہذا ہر انسان کا فریضہ ہے کہ اس مجسمہ انسانیت کو اپنا راہبر و ہادی پیشوا، ہیرو مانتے ہوئے اسکی مسلک پر گامزن ہو جائے اور اس کے مشن کی دن دونی رات چوگنی ترقی میں دامے، درمے، قدمے، سخنے اعانت و مدد کرے۔

درسِ عمل

جناب معراج بلگرامی از بیرو ضلع باندہ

حسینؑ تیری شہادت کا راز کیا کہنا
جہاں کو تو نے سکھائی نماز کیا کہنا

جلا کے مشعل ایماں جہاں میں ابن علیؑ
خموش کر گئے باطل کا ساز کیا کہنا

نہیں ہے کوئی بھی ہمسر جہان میں تیرا
خدا کو تیری عبادت پہ ناز کیا کہنا

اٹھائے ظلم و ستم زیر تیغ لب پہ دعا
سخی کے لال اے بندہ نواز کیا کہنا

جہاں میں کر دیا سرسبز گلشن اسلام
مٹا یا دورِ خزاں بے نیاز کیا کہنا

لہو سے کر دیا گلزار باغ ایماں کو
دکھائی راہِ خدا حق نواز کیا کہنا

نثار گھر کیا راہِ خدا میں تشنہ جگر
یہ حوصلہ تیرا شاہِ حجاز کیا کہنا

جسے بتائیں محمدؐ ہے روح و جان میری
اسی پہ دست تظلم دراز کیا کہنا

حسینؑ دشت میں ناناکے کلمہ گویوں کے
دلوں کا کر دیا ظاہر ہے راز کیا کہنا

عروج پر کیا عالم میں مذہب اسلام
یہ انس تیرا اٹھا اے چارہ ساز کیا کہنا

کلام پاک کی تبلیغ نیزے کے اوپر
اے حامی حق کے یہ تیرا نیاز کیا کہنا
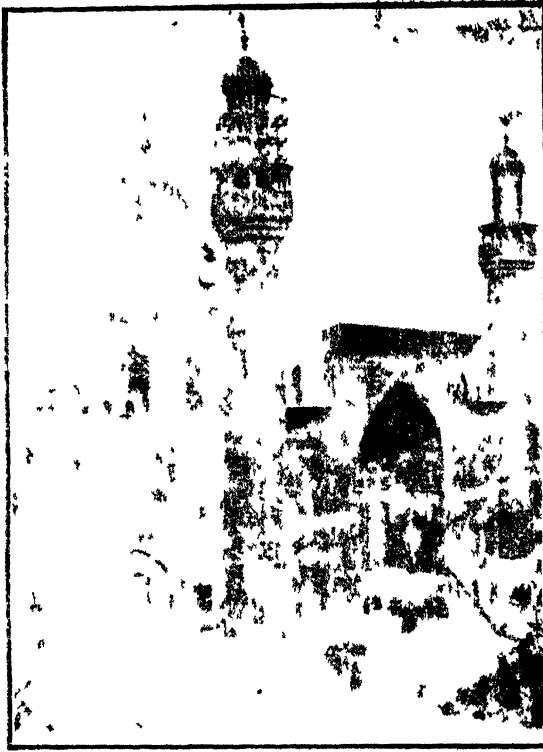
ہہ اسوں

زادہ سید حسن عباس صاحب
آف ڈانڈہ

بانی شیعہ کانفرنس سرکار قدوۃ العلماء
اعلیٰ اللہ مقامہ

الملت جناب مولانا سید محمد مجتبیٰ صاحب
پد سرپرست دائرۃ الاشاعۃ نوگانوہ سادات
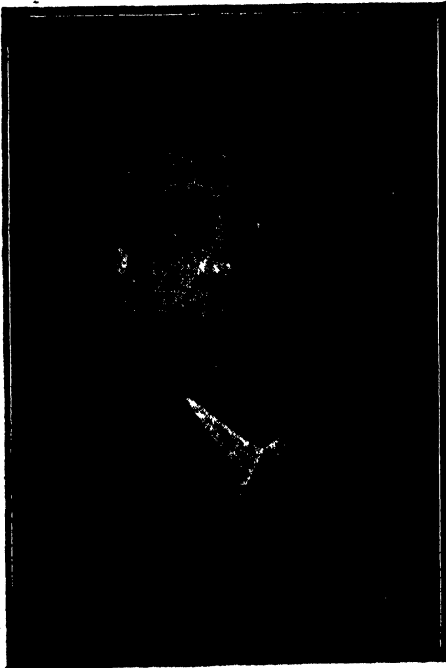
سرکار نصیر الملت جناب مولانا سید محمد نصیر صاحب
مجتہد

نواب سید اطہر حسین صاحب اف نرہٹی
جنرل سکریٹری مرکز تبلیغ اسلام

(حسینی شاعر) "فضل"

شہسوارانِ حریت کا قائد اعظم

صدائے حریت ہی ساز روحانیت کی وہ پہلی آواز ہے جو نغمہ گاہ ایجاد میں بلند ہوئی۔

(از جناب سید غلام مرتضیٰ صاحب لکھنوی فاضل ادب سکریٹری مرکز تبلیغ اسلام لکھنؤ)

یہ تھا روح حریت پیغمبرؐ اسلام کے نواسے حسینؑ کا وہ آخری پیغام جو تیس ہزار پرستارانِ غلامی کی خون آشام شمشیروں کی جھنکار کے ساتھ مظلومیت کی کپکپاتی لیکن خودداردانہ آواز میں کربلا کے ہولناک ریگستان میں گونج کر سارے عالم پر چھا گیا۔ یہ تو ظاہر ہے کہ عالم انسانیت کی وہ کونسی فرد ہے کہ جس نے دنیا میں قدم رکھتے ہی حریت اور غلامی کے متضاد معنی نہ سمجھ لئے اور یہ صرف انسان ہی پر منحصر نہیں بلکہ اگر صحیفۂ عالم کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ نظام عالم ہی حُریت پر قائم ہے نباتات سے لے کر حیوان اور انسان تک کوئی فرد عالم ایجاد میں ایسی نہ ملے گی کہ جس کی فطرت حُریت پسند نہ ہو دریا کی آزاد فطرت موجوں کو لاکھ روکنے کی کوشش کی جائے مگر اُن کا خارا شگاف عزم حریت سخت پتھروں کے سینوں کو چاک کر کے اپنی آزادی طبیعت کا ثبوت دیئے بغیر نہ رہے گا۔ سطح ارض سے نمو کرتے ہوئے اشجار پر کتنے ہی موٹے جال کیوں نہ تن دیئے جائیں مگر جب تک اُن میں دم ہے انھیں توڑے بغیر نہ چھوڑیں گے چمن کی آزاد فطرت بُلبل کو قفس میں کتنی ہی راحتیں کیوں نہ دی جائیں مگر پھر بھی شوق آزادی مائل پرواز کئے بغیر نہ چھوڑیگا۔ یہی عالم معینہ عناصر اربعہ کا ہے آگ کے بھڑکتے ہوئے شعلے جب کسی شئے میں بند کئے جائیں گے تو دو حال سے خالی ہیں یا تو خود اس شے ہی کو جلا کر خاک کر دیں گے اور یا پھر اس قید کی ذلت میں اپنی حرارت حیات ہی کو فنا کر دیں گے۔ اسی طرح ہوا ہے کہ آپ اُسے کتنی ہی محفوظ شے میں کیوں نہ مقید کریں لیکن ادھر راستہ پایا اور فضا میں آزادانہ گشت کرنے لگی تو جب عناصر میں اتنا جوش آزادی ہو تو پھر وہ انسان جو انھیں عناصر کا مرکب ہو اگر وہ اپنی آزادانہ فطرت سے زندان غلامی کو مسمار کر ڈالے تو کونسی تعجب کی بات ہے دنیا یہ نہ سمجھے کہ یہ خیال آزادی محض مادیت ہی کی پیداوار ہے بلکہ خیال حُریت ہی وہ مقدس تخیل ہے جو سب سے پہلے مجسمۂ روحانیت ملائکہ کی پر تقدیس صداؤں کے کیف آفریں

نغموں میں مل کر سقفِ فلک پر گونجی ورنہ جناب آدم کی خلافت میں ملائکہ کا احتجاج اگر خوفِ غلامی اور زندادفی الارض کے ڈر سے نہیں تھا تو کیا تھا اور یہ حقیقتاً ملائکہ کے اس خیال ہی کی وقعت تھی کہ نگاہِ قدرت نے اس خیال کو اپنی مشیت سے الگ دیکھتے ہوئے بھی انھیں معذب نہیں کیا یہاں پر یہ بتادینا بھی ضروری ہے کہ قدرت نے ملائکہ کے اس احتجاج کو رد کر کے اس بات کی تنبیہ کر دی کہ خیال حُریت یا ہر وہ تخیل کہ جس کو جزو عمل بنایا جائے وہ اسی وقت تک کامیاب ہو سکتی ہے جب تک کہ الٰہی حدود مشیت سے باہر نہ ہو ورنہ انسان تو حُریت پسند ہے ہی وہ کونسا زمانہ ہے کہ جس میں انسان نے علم حریت بلند نہ کیا ہو پھر کیوں نہ اُس کا پھریرا عالم پر ہمیشہ چھایا رہا کیا کوئی شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ یزید حُریت پسند نہ تھا نہیں نہیں وہ تو اتنا آزاد فطرت تھا کہ اُس نے اپنی آزاد خیالی کی رو میں مذہب کی زنجیروں کو تو توڑ ہی ڈالا تھا اُسے یہ بھی گوارا نہ ہوا کہ کسی ایسی فرد کا وجود بھی رہ سکے کہ جس کی پابندی مذہب سے اُس کی آزادانہ روش میں کوئی خلل پیدا ہو لیکن نہیں میں نے غلط کہا یزید آزاد فطرت نہ تھا بلکہ غلام طینت تھا اُس کی آزاد خیالی فسق و فجور کی زنجیروں میں جکڑی ہوئی تھی اُس کا حُریت پسند نفس کباب و شراب کی موجوں میں ڈوب کر فنا ہو چکا تھا اُس نے اپنے نفس کی صفائی جام بلوریں

میں چھلکتی ہوئی صاف و شفاف شراب کو دیدی تھی وہ ذلت کی موت کو حیات جاوید اور بداخلاقیوں کی قباحت کو حُسنِ اخلاق سمجھ چکا تھا وہ یہ چاہتا تھا کہ ہر پاک روح کو اپنے رنگ میں رنگ کے خواہشات کا غلام بنالے دنیا خوب واقف ہے کہ اس وقت یزید کا مقابلہ کسی ایسے نفس سے نہ تھا جو اس کی طرح منحوس تمناؤں کا غلام بن چکا ہو بلکہ اُس کی غلامانہ فطرت کا مقابلہ حُریت کی اُس روح اعظم سے تھا کہ جس کی ادنیٰ سی جنبش نگاہ پر عالم امکان کی کل کائنات قربان ہونے کو تیار تھی کیا دنیائے تاریخ اس سے انکار کریگی کہ حسینؑ اُس باپ کا بیٹا نہ تھا کہ جس کی اُنگلیوں کی ادنیٰ سی جنبش نے چھ ہزار من کا دروازہ آن واحد میں اُکھاڑ کر پھینکدیا تھا کیا کوئی شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ اس وقت حسینؑ کی زیب کمر وہی کاٹ دار اور برق آسا شمشیر نہ تھی کہ جس نے بڑے بڑے بہادران عرب کے غیور سروں کو اپنے مالک کے ہلکے سے اشارے پر جسموں سے جدا کر دیا تھا کیا اسلامی تاریخیں ناواقف ہیں کہ حسینؑ کی ادنیٰ سی ٹھوکر پر زمین نے جواہرات کے بیش بہا خزانے اُگل دیئے ہیں یہی وہ موقع ہے کہ جہاں عقل انسانی تخرات کی کشمکش میں پھنسکر حسینؑ پر اقدام ہلاکت کا جرم لگا دیتی ہے۔ لیکن نہیں ایک ذرا سے غور میں یہ چیز حل ہو جاتی ہے کہ اگر حسینؑ یزید کی بشری طاقتوں کو اپنے اختیارات کی مافوق البشر شوکت سے مغلوب

کر لینے تو یہ چیز کوئی قابل مدح نہ ہوتی میدانِ جنگ
میں حریف کو نہتا پا کر قتل کر دینا کبھی بہادری نہیں
کہلاتا شجاعت تو جب ہے کہ دشمن ہی کے ہتھیار
جنگ سے دشمن کو شکست دی جائے اور اس کی
تلوار سے اس کا گلا کاٹا جائے حسینؑ کی رگوں میں
شجاعت علوی کی وہی روح دوڑ رہی تھی کہ جس نے
میدانِ جنگ میں اپنی تلوار دشمن کو دیدی تھی
وہ دیکھ رہے تھے کہ آجتک تو دنیا نے ظالم کی
کامیابیوں کو فتح اور مظلوم کی مجبوریوں کو شکست
سمجھا لیکن حسینؑ دنیا کو بتانا چاہتے تھے کہ (مظلوم
کی بیکسی ہی ظالم کی سب سے بڑی شکست ہے)
اسکے علاوہ حسینؑ دنیائے عمل کے جمہوری فائدہ بنکے
اُٹھے تھے اُن کا یہ نمونۂ عمل محض با اقتدار امراء کی
خون آشام تلواروں یا شاہانِ دنیا کے پرعظمت
خزانوں ہی سے مخصوص نہ تھا بلکہ حسینؑ کے دلمیں
غربت و اخلاص کا وہ درد پنہاں تھا کہ جس نے
حسینؑ کی عظیم فتح کو مظلومیت کے سرخ اور گہرے
رنگ میں ان کے بغیر نہ چھوڑا حسینؑ دیکھ رہے تھے کہ
اُفق اسلامی کے مشرقِ اخلاق کا وہ زریں آفتاب کہ
جس نے نانا کے نورِ رسالت سے کسب ضیاء کر کے دنیا
کو جگمگا دیا تھا آج یزیدیت کے مضرت کی گہری
تہوں میں ڈوب کر فنا ہوا جاتا ہے حسینؑ کی رگوں
میں آج بھی حیدری طاقت موجود تھی حسینؑ اُٹھے
اور باپ کی طرح مغربِ یزیدیت میں ڈوبتے ہوئے
آفتابِ شریعت کو پھر اسی اسلامی افق پر قائم کر دیا
اور اس کی کرنوں میں اپنے بے مثل عزم و استقلال
حریت کی وہ تڑپتی ہوئی روح پھونکدی جو ہمیشہ زمانے
کے لئے درسِ عمل بنی رہے گی کربلا میں حسینؑ کے موجزن
خون کا ہر قطرہ اپنے دامن میں حریت کا وہ بے پایاں
سمندر لئے ہوئے تھا کہ جس میں آجتک یزیدیت کی
غلامی کا سفینہ تھپیڑے کھا کھا کر غرق ہو رہا ہے۔
آخر میں یہ کہکر ختم کرتا ہوں کہ حریت اپنے وجود
میں ابدالآباد تک عزم حسینی کی مرہونِ منت
رہے گی۔"

از جناب سروش ملیح آبادی

یوں جلوہ گر ہیں دہر میں عباسؑ نامدار
جھکتی ہیں انکے آگے جبینیں غرور کی
عرشِ بلند سے بھی فزوں ان کا اوج ہے
گوہر ہے یہ مشیتِ حق کی کلاہ کا
عباسؑ آئینہ ہے خدا کے شباب کا
یہ سرخ اک کلی ہے امامت کے ہار کی
بازو ہیں ہیں حیات کا دفتر لئے ہوئے
جس دن سے آپ شہ کے علمدار ہو گئے
چلاّ اتار ہیں قوسِ قزح کی کمان کا
بندے یہی ہیں خاص خدائے بلیل کے
جلوہ انھیں کے حسن کا تھا شمعِ طور میں
روشن ہی چاند چرخ پہ انکے جمال سے
پھر مومنوں پہ چرخ کی چشم غضب ہے آج

اُترا ہے یا زمین پہ جنت کا آبشار
گویا زمینِ روح پہ بارش ہے نور کی
سانس ان کی کیا ہے چشمۂ کوثر کی موج ہے
یہ آخری علم ہے خدا کی سپاہ کا
دامن ہے جو بجھا دے چراغ آفتاب کا
یہ شان آخری ہے وفا کے ستار کی
سینے میں ہیں حیات کا دفتر لئے ہوئے
ربانیت کے قصر کے مینار ہو گئے
چاہیں تو یہ اُلٹ دیں ورق آسمان کا
واقف ہیں ان کے فیض سے پر جبرئیل کے
خود موت ہاتھ باندھے ہے انکے حضور میں
خورشید کانپتا ہے انھیں کے جلال سے
نرغے میں دین ہے روحِ بشر تشنہ لب ہے آج

ہٹ جائے پہرا ہستی کے خونی فرات کا
لا دیں حضور تھوڑا سا پانی حیات کا

میدان کربلا میں جنگ مارو کا ایک منظر

از جناب سید یاور مہدی صاحب رضوی لکھنوی اسسٹنٹ ماسٹر
بنگالی ہائی اسکول لکھنؤ

دنیا کی تمام تاریخوں میں ایک معرکہ بھی ایسا نظر نہ آئے گا جو واقعات کربلا میں سے کسی ایک واقعہ کی نظیر ہو۔ ہاں ہجرت کے پانچویں سال کا معرکۂ عظیم یعنی جنگ احزاب اتفاق سے اکثر معاملات میں کربلا کے معرکۂ عظیم سے مشابہ ہے۔

جنگ احزاب بھی ماہ محرم میں واقع ہوئی اور کربلا کا واقعہ بھی ماہ محرم کی یادگار ہے۔ جنگ احزاب کے موقع پر بھی عام مسلمانان بھوک کی شدت سے بے چین تھے یہاں تک کہ خود حضرت ختمی مرتبتؐ تین روز کی بھوک میں مبتلا تھے اور کربلا کے مجاہد بھی بھوک سے مضطر و پریشان تھے فرق اتنا تھا کہ مجاہدین احزاب محض بھوکے تھے لیکن مجاہدین کربلا بھوکے بھی تھے اور پیاسے بھی۔

معرکہ احزاب میں ۶ سہ دراز کے محاصرہ کے بعد عرب کا مشہور و معروف، سن رسیدہ تجربہ کار ہزاروں سے تنہا لڑ کر معرکہ فتح کرنے والا عمرو ابن عبدود مسلمانوں کو فیصلہ کن شکست دینے کی غرض سے بیل دماں کی طرح چنگھاڑتا ہوا مبارز طلب ہوا اور ایک کمسن، نوخیز مگر قیامت کے صاحب حوصلہ، تلوار کے دھنی یعنی علیؑ کے ہاتھ سے واصل جہنم ہوا بالکل اسی طرح میدان کربلا میں مارد ابن صدیف نہایت دبدبہ کے ساتھ سیری و سیرابی کی حالت میں تجربہ کاری کے ضمن میں مبارز طلب ہوا اور ایک ایسے نوجوان کے ہاتھ سے بصد ذلت و خواری واصل جہنم ہوا جو بھوکا بھی تھا پیاسا بھی تھا۔ چند گھنٹوں کے بعد جان دینے والے ستر بہتر سپاہیوں کا کمانڈر بھی تھا منتشر الحال پراگندہ خیال بیبیوں اور بچوں کی امیدگاہ بھی تھا، اپنے آقا اور مالک کا سب سے پیارا جان سے زیادہ عزیز قوت بازو بھائی بھی تھا، دنیا میں حسن و جمال کے لحاظ سے "بنی ہاشم کا چاند" بھی مشہور تھا۔

عباسؑ علیؑ اور مارد کی جنگ

حضرت عباسؑ نے جس وقت میمنہ و میسرہ کو درہم و برہم کیا دشمنوں کی حسرتوں کو خاک میں ملا دیا ہر طرف لاشے تڑپتے نظر آنے لگے۔ مارد ابن صدیف جو

عرب کا نہایت مشہور و معروف حوصلہ مند تجربہ کار، سن رسیدہ بہادر تھا آگے بڑھا فوج کو ڈانٹ دیا شمر سے کہا لعنت ہے تیری جماعت پر اور تجھ پر ایک تن تنہا سے اتنے لڑے اور کچھ نہ ہو سکے ہٹا لے اپنی جماعت کو میں تنہا اس جوان کو قتل کر دوں گا

ابو اسحاق اسفرائنی اور دیگر ارباب تاریخ لکھتے ہیں کہ مارد سے اور شمر سے دو بدو ہوئی اور شمر نے حکم کیا ساری فوج سمٹ کر ایک طرف ہو گئی، مارد آگے بڑھا، آلات جنگ سے آراستہ، گھوڑے پر سوار نہایت بے باکانہ یہ شعر پڑھنے لگا۔

مارد کی رجز خوانی

نصحتک ان قبلت نصیحتی ⁛ خوفاً علیک من الحسام القاطعی

مارقی قلبی فی الزمان علی الفتی ⁛ الا علیک فکن لقولی سامعی

والا فدونک من عذاب واقع

یعنی۔ قتل عام کرنے والی اپنی تلوار کے خوف سے میں تجھے نصیحت کرتا ہوں اگر تو مان لے (یعنی لڑائی سے باز آ) آج تک مجھے کسی پر رحم آیا ہی نہیں سوائے تیرے۔ لے میری بات مان لے ورنہ ایک عذاب میں مبتلا ہو جائے گا۔

یہ رجز ویسا ہی تھا جیسا جنگ احزاب میں عمر نے علیؑ کے مقابلے میں پیش کیا تھا۔

حضرت عباسؑ کا جواب

مارد کی بیہودگیوں کو سنکر حضرت عباسؑ نے ایک انگڑائی لی اور تیور بدل کر جواب دیا او شقی کیا میرا باپ کسی لڑائی سے واپس گیا ہے جو میں واپس جاؤں۔ ہم راہ خدا کے مجاہد ہیں، جنگ و جدال ہمارا کھیل ہے، ہم مرنے سے نہیں ڈرتے۔ دیکھ او شقی تیرا غرور و تکبر ابھی خاک میں ملائے دیتا ہوں۔

حضرت عباسؑ اور مارد کی خوفناک جنگ

یہ الفاظ سنکر مارد کو تاب نہ رہی نیزے کو بلند کیا اور حضرت عباسؑ کی طرف جھپٹا۔ علیؑ کا شیر اسی طرح اپنی جگہ پر کھڑا رہا اور مارد کو روکنے کی ذرا کوشش نہ کی۔ مارد کا خیال تھا کہ میں اس نوجوان کو بغیر کسی کد و کاوش کے آسانی سے اپنے نیزے کا شکار بنا لوں گا۔ نہایت بے توجہی سے حضرت عباسؑ پر نیزے کا وار کیا۔ پھر بھی وار بلا کا وار تھا آنکھیں جھپک گئیں، بجلی چمک گئی، مگر جب فضا صاف ہوئی تو لوگوں نے دیکھا کہ مارد کا نیزہ عباسؑ علی کے ہاتھ میں تھا، عباسؑ کھڑے مسکرا رہے تھے اور زینبؑ در خیمہ سے دعائیں دے رہی تھیں۔ حسینؑ مرحبا کہہ رہے تھے۔ مارد جھونک میں منہ کے بل زمین پر گرنے والا تھا مگر سنبھلا۔ عباسؑ نے گھوڑے کی ساق پا پر نیزہ مار کر اسے ہلاک کیا۔ مارد بیدل ہوا حواس جاتے رہے نخوت و انانیت خاک میں مل گئی یقین ہوا کہ یہ جوان ہلاک کئے بغیر مانے گا نہیں۔ نہایت مضطرب و حیران ہوا

شمر و غیرہ نے جب یہ معرکہ دیکھا تو صارقہ غلام مارد کو حکم دیا کہ فوراً اپنے آقا کے پاس "طادیہ" نامی گھوڑا لے جا۔ عباسؑ علی باطمینان کھڑے مارد کی حیرانی کا تماشہ کر رہے تھے۔ صارقہ جیسے ہی گھوڑا لے کر صفوف لشکر سے نکلے میدان میں آیا مارد نہایت بے تابی سے چلایا کہ گھوڑا جلد میرے نزدیک لا ورنہ یہ جوان مجھے قتل کر ڈالے گا۔ ابھی صارقہ مارد کے پاس پہونچے اسے نیزے سے ہلاک کیا گھوڑا چھین لیا اور اس پر سوار ہوئے اپنا گھوڑا آزاد کیا اور مارد کی طرف متوجہ ہوئے۔ اب مارد کی بے تابی اور بے بسی کی کوئی حد نہ تھی۔ شمر و غیرہ دور سے کھڑے یہ تماشہ دیکھ رہے تھے حضرت عباسؑ کی اس بے مثال جوانمردی پر دم بخود رہ گئے۔ لشکر دشمن پر سناٹا چھا گیا دوست و دشمن مرحبا کہہ رہے تھے۔ مارد کو بسبب موٹاپے کے پیدل جنگ کرنا یونہی دشوار تھا عباسؑ سے بہادر اور پھرتیلے سپاہی کے مقابلے میں تو اسے اپنی موت کا پورا پورا یقین ہوگیا تھا۔

ادھر شمر و غیرہ نے مارد کو عباسؑ کے بے پناہ حملے سے بچانے کی یہ تدبیر سوچی کہ امام حسینؑ پر ایک جماعت کثیر سے حملہ کر دیا۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ عباسؑ مارد کو قتل کرنے کے مقابلے میں حسینؑ کی مدد کرنا زیادہ ضروری جان کر مارد کو چھوڑ کر فوراً ادھر متوجہ ہو جائیں گے اور تب تک مارد اپنی جان بچا کر بھاگ جائے گا۔

واقعہ بھی یہی تھا بھلا عباسؑ حسینؑ پر حملہ ہوتے ہوئے دیکھ کر کہیں رک سکتے تھے فوراً مارد کو چھوڑ کر حسینؑ کی مدد کو روانہ ہوئے۔ مگر اللہ ری پھرتی کس غضب کی چستی اور ہوشیاری سے کام لیا کہ دشمن کی جماعت کثیر کو امام حسینؑ کے پاس سے منتشر و پراگندہ بھی کیا گھوڑے سے اتر کر رکاب مبارک کو بوسہ بھی دیا پھر سوار ہوئے اور مارد کو پھر گھیر لیا اس کی وجہ یہ تھی کہ جنگ مارد سے قبل حضرت عباسؑ کی بلاخیز جنگ نے اتنا قتل و غارت کا بازار گرم کیا تھا کہ فوج شام دور تک بھاگ گئی تھی اور خیمہ ہائے مطہر سے غافریہ کے گھاٹ تک کوئی سپاہی نظر نہ آتا تھا اور فوج شام سے ایک بڑا میدان خالی ہو گیا تھا۔ چنانچہ مارد موٹاپے کی وجہ سے تیز دوڑ کر اپنی فوج تک واپس نہ ہو سکا تھا مگر بھاگ رہا تھا۔ عباسؑ نے بہت جلد بڑھکر اسے گھیر لیا اور نہایت اطمینان سے قتل کے لئے شمشیر بلند کی مارد زمین پر گر پڑا اور بولا عباسؑ میں تیرا غلام ہوں مجھے مت مار عباسؑ بولے نمک حرام غلاموں کا دنیا میں زندہ رہنا ٹھیک نہیں یہ کہکر نیزہ اس کے منحوس چہرے پر اس طرح مارا کہ ایک کان میں سے ہو کر دوسرے کان کے باہر نکل آیا۔ زمین سے بلند کیا اور اس طرح پھر زمین پر دے مارا کہ جہنم واصل ہوا۔"

قصیدہ موسومہ بحرِ وفاؑ کے بیس ۲۰ چُنے ہوئے موتی

(از جناب حکیم ملک سید محمد محسن صاحب گورنمنٹ رجسٹرڈ براگاؤں ڈاکخانہ سرائے محی الدین ضلع جونپور)

بعد از فنا وفا نے یہ پیدا بہار کی
کلیاں چٹک گئیں مرے لوح مزار کی

خون وفا کی رنگت و خوشبو تو دیکھئے
قاشیں تراش دونوں میں دل بیقرار کی

وہ دیکھتے ہیں باغ وفا کے ہر ایک رنگ
تصویر کھینچ کھینچ خزاں میں بہار کی

کاٹے جو ہاتھ جذبۂ مہر و وفا بڑھا
قوت قلم سے اور بڑھی شاخسار کی

کس حس کا یہ نخل وفا ہے سدا بہار
حاجت نہ جس میں گل کی نہ کچھ برگ و بار کی

مرنے کے بعد ہوتا ہے باغ وفا ہرا
چلتی ہیں یاں خزاں میں ہوائیں بہار کی

نوشاہ میں یہ حسن شہید وفا کہاں
کچھ اور شان ہوتی ہے زخموں کے ہار کی

ہوں ساحل فرات تمنا پہ تشنہ کام
حالت ہے غیر ساقیا اب بادہ خوار کی

کیسی صراحی مشک میں بھر کر شراب لا
کچھ تیر سے زیادہ خلش ہے خمار کی

تیرا لقب بہشتی ہے کوثر سے کاٹ لا
اک علقمہ سی نہر مئے خوشگوار کی

آنکھیں شراب نوشوں کی بن جائیں کربلا
ہوں تر خیال رگوں میں صف کارزار کی

بوتل کا مار کر ہو پھریرا علم کے ساتھ
اور مہر میں ہو شکل کھنچی ذوالفقار کی

ام البنین کو حق نے وہ نور نظر دیا
جو جان ہے حسینؑ غریب الدیار کی

طاقت میں رعب داب میں جاہ و جلال میں
تصویر بولتی اسد کردگار کی

اپنا لہو ملا کے لہو میں حسینؑ کے
گلزار دین حق میں نمایاں بہار کی

پہلے زمیں پہ آپ گرے تب علم گرا
دنیا میں تھی وفا تو اسی جان نثار کی

سب جانتے ہیں جو شب ہجرت ہوئی عیاں
الفت رسولؐ سے اسد کردگار کی

عباسؑ کو بھی عشق یونہی تھا حسینؑ سے
تھی کوئی حد نہ بھائیوں میں چاہ پیار کی

لیکن جدا علیؑ سے ہے عباسؑ کی وفا
وہ بچ گئے انھوں نے فدا جان زار کی

محسنؔ ترے قصیدہ کو کہتے ہیں جوہری
لڑیاں گندھی ہوئی ہیں دُرِ شاہوار کی

شجاعت عباسؑ پر حیائے عباسؑ کا غلبہ

از جناب جعفر حسین صاحب منظر لکھنوی

کیا کہوں تجھ سے وصف کیا کیا باوفا عباسؑ میں
تھی شجاعت سے بھی کچھ بڑھکر حیا عباسؑ میں

یاد کیجئے وہ گھڑی دریا پہ جب خیمے تھے نصب
اور دریا دو لتوں کی طرح کرنا چاہا غصب

بھیجا یہ پیغام ظالم نے شہ ابرار کو
تم اُدھر جا کر بسا دو دشت پُر از خار کو

دشت کی ساری بلائیں ہیں تمھارے واسطے
نہر کی ٹھنڈی ہوائیں ہیں ہمارے واسطے

حکم حاکم ہے کہ دریا سے ہٹا دو شاہ کو
یوں نہیں مانیں تو پھر تلوار سے تم کام لو

بُزدلوں کے مُنھ سے سُنکر نام کو تلوار کے
جُھر جُھری سی آئی تیور بدہوئے جرآر کے

لیکے ایک انگڑائی عباسؑ دلاور نے کہا
کیا کہا اے بُزدلوں ہاں پھر تو کہنا اک ذرا

کر رہے ہو کس سے دعوے جنگ کے کچھ خیر ہے
تم میں اور تلوار میں تو مدتوں سے بیر ہے

بکریوں سے تم ہو بدتر اور وہ سب کے سب دلیر
بھیڑوں کا گلہ تمھارے ساتھ اُنکے ساتھ شیر

اُن کی تلواروں سے بھی بڑھکر نگاہیں ہیں کاٹ
کیا مجال اُنسے جو کوئی چھین لے دریا کا گھاٹ

دیکھ لیں گے گر نظر بھر کر تو دل ہل جائیں گے
جو ارادے ہیں تمھارے خاک میں مل جائیں گے

تم لکھو کا ہو تو ہو اسکی کوئی پروا نہیں
ہم بہت کم ہیں مگر دریا تو چُھٹ سکتا نہیں

سُنکے یہ پھبتے ہوئے الفاظ تیغیں کھنچ گئیں
جتنی فوجیں ساتھ تھیں یکبارگی آگے بڑھیں

دیکھکر بڑھے ہوئے انداز فوج ردم و شام
کھینچ لی عباسؑ نے بھی غیض میں آکر حسام

غل ہوا یکبارگی برپا جو دار و گیر کا
ماتھا ٹھنکا خیمے میں ہمشیرۂ شبیرؑ کا

مُڑ کے فضہؑ سے کہا جا دیکھ آ کیا بات ہے
شور ہے یہ کیوں لب دریا بپا کیا بات ہے

سُن کے حکم خواہرِ شبیرؑ فضّہ بے خبر
دوڑ کر آئی سوئے در اور جو کی باہر نظر

دیکھتی کیا ہے کہ آثارِ قیامت ہیں عیاں
غیض میں ہے زورِ بازوئے شہ کون و مکاں

اس طرف عباسؑ کو سمجھا رہے ہیں شاہِ دیں
اُس طرف غصّے میں بڑھتی آ رہی ہے فوجِ کیں

میزباں پر مہماں کا کچھ اثر باقی نہیں
جنگ ہونے میں غرض کوئی کسر باقی نہیں

دیکھ کر یہ رنگ فضّہ کے گئے ہوش و حواس
گرتی پڑتی آ کے بولی حضرتِ زینبؑ کے پاس

شاہزادی کیا کہوں کیا ماجرا ہونے کو ہے
یوں سمجھ لیجے کہ بس محشر بپا ہونے کو ہے

بگڑی ہے فوجِ لعیں عباسؑ کو کچھ چھیڑ کے
چاہتی یہ ہے کہ چھڑوا دے ترائی شیر سے

بات اور عباسؑ کی سی بات کی پوری سی بات
بڑھ گئی کچھ اور تو دن کو نظر آئے گی رات

آپ ہی کے بس میں ہیں اب ہم غریبوں کے نصیب
جلد کیجئے فکر کچھ ورنہ قیامت ہے قریب

سُن کے یہ تقریر فضّہ کانپ اُٹھی بنتِ بتولؑ
اور کہا جا جلد جا بہرِ علیؑ بہرِ رسولؐ

پہلے تو عباسؑ سے کہنا بلاتی ہے بہن
اور نہ آئیں گر تو پھر کہنا بصد رنج و محن

اپنے حق کی دے رہی ہیں آپ کو زینبؑ قسم
ہو نہ میرے شیر کا غصّہ اگر اس پر بھی کم

پھر یہ کہنا تیغ اگر رکھ لی نہ تم نے میان میں
تو کھُلے سر میں چلی آؤں گی خود میدان میں

جا کے فضّہ نے دیئے ترتیب سے یہ سب پیام
غور سے سُنتا رہا وہ نیک نام و نیک کام

سُن کے سب پیغام خواہر کی ذرا پروا نہیں
غیض پر عباسؑ کے غالب کوئی آیا نہیں

ہاں مگر بے پردہ باہر آنے کو جو تھیں سُنا
شرم سے آیا عرق غم سے کلیجہ کانپ اُٹھا

دیکھ کر تلوار کو حسرت سے رکھا میان میں
گم ہوئے غیض و غضب منظر حیا کی آن میں

(از جناب سید ہادی حسین صاحب اوورسیر محکمہ نہر سیتاپور)

روزہ انسانی صحت کیلئے ایک ایسی بے نظیر چیز ہے جسے اسلام ایسے فطری مذہب نے اپنے پیرو کاروں کیلئے ایک مہینہ بھر رکھنا داخل واجبات کر رکھا ہے جیسے آج کی سائنس نے انسان کیلئے بہترین قرار دیا ہے جیسے مشاہیر نے اپنے ہفتہ وار پروگرام میں درج کیا ہوا ہے قصہ کوتاہ یہ وہ نسخہ اکسیر ہے کہ جس کو انسان بلکہ حیوان بھی ضرورت پر استعمال کرتے ہیں لیکن اس پر عمل درآمد وہ کرتا ہے جس کو اسکی اہمیت معلوم ہو۔ ایک انسانی بچہ اسکی قدر کیا سمجھ سکتا ہے اور بچہ بھی شیر خوار جسکی عمر ابھی پانچ ماہ اور کچھ ہی دن ہوئی ہو۔ ہاں آج تیرہ سو برس گزرے عرب کے ملک میں ایک بچہ پیدا ہوا تھا جو کہ اپنے خاندان و دوست اقربا کے ساتھ نینوا کی گرم ریتی پر نو دن مقیم رہا اور ان میں سے آخری تین دن روزے سے رہا۔ یہ وہ مقام تھا جہاں پر ہر وقت ریگ اڑتی تھی۔ صبح سے لیکر شام تک دھوپ چمکتی تھی۔ لوئیں چلتی تھیں کچھ فاصلے پر عرب کی مشہور نہر ٹھاٹھیں مار رہی تھی کچھ دوری پر کہیں کہیں ہریاول بھی تھی لیکن واہ رے روزہ دار واہ رے روزے کی اہمیت جاننے والے تو نے ان تمام چیزوں کی پرواہ بھی نہیں کی۔ اگر ان دنوں میں سے پہلے ہی دن ماں کا دودھ سوکھ گیا تو تجھے شمہ برابر گھبراہٹ محسوس ہوئی ہو۔ ہاں کیسے گھبراہٹ ہوتی یہ بچہ کوئی معمولی

بچہ تھوڑا ہی تھا ساقی کوثر کا پوتا تھا۔ جس دن سے تمام خاندان بے آب و دانہ تھا اسی دن سے یہ بچہ بھی روزے سے رہا۔ پھر جس دن اس متبرک خاندان نے روزہ افطاری شروع کی ہر کوئی فرد روزہ آب کوثر سے افطار کر کے سیر و سیراب ہو رہا تھا اس دن بھی اس بچے نے روزہ افطاری میں جلدی نہیں کی بلکہ سب سے آخر میں سوائے اپنے پدر بزرگوار روزہ افطار کیا جبکہ اس بچے نے اپنے باپ کی گودی میں ایک ٹیلے کی چوٹی پر پہنچ کر پہلے اپنے پدر بزرگوار سے اپنی روزہ افطاری کیلئے لوگ کو کہلایا جس پر انھوں نے کوئی جواب نہ دیا اور پھر خود اپنی سوکھی زبان سوکھے ہونٹوں پر پھیر کر یہ بتا دیا کہ یا ایھا الناس اب میری روزہ افطاری مجھے دیدو کیوں جواب سوائے میرے باپ اور ایک چچازاد بھائی عبداللہ کے جس کی عمر چار ساڑھے چار برس ہوگی نہیں رہا اس پر انھوں نے گلے میں سہ شاخہ تیر زہر آلود پیوست کیا۔ بچہ آب کوثر سے سیراب ہو۔ روزہ افطار ہونے پر مسکرایا اور چند ایک کروٹیں لیکر باپ کے ہاتھوں ہی پر ہمیشہ ہمیشہ کیلئے آرام کی نیند سو گیا۔ یہ بچہ وہ تھا جس کا تعلق جناب رسالتمآبؐ سے تھا جناب امیرؑ سے تھا جناب سیدہؑ سے تھا اور جناب حسینؑ سے تھا اس کا نام تھا اصغر ابن الحسینؑ۔

اسلام کی فضا سے ظلمت مٹا رہا ہے

(از جناب سید امیر حسین صاحب امیر بلگرامی تحصیلدار بہیر ضلع باندہ)

اے انقلاب عالم تو ہی بتا یہ کیا ہے
سبط رسول اعظم محبوس صد بلا ہے

سیدانیوں کے سر پر چادر نہ اک ردا ہے
بازو رسن سے کس کر ہر ایک کا بندھا ہے

آئی ندائے غیبی مت فکر کر کہ کیا ہے
حکم خدا سے یوں ہی یہ جادۂ رضا ہے

گھر بھر لٹا کے اپنا سبط رسول اعظم
اسلام کی فضا سے ظلمت مٹا رہا ہے

تیروں کی برچھیوں کی اکبرؑ پہ بارشیں ہیں
ہم صورت نبیؐ ہے یہ کون پوچھتا ہے

اسلام کی دوبارہ تکمیل کی غرض سے
سر کو کٹانے رن میں شبیرؑ جا رہا ہے

وہ کربلا کی گرمی وہ شمر کے ارادے
چرخ بریں کے نیچے اندھیر ہو رہا ہے

آندھی سیاہ اٹھی سورج کو کیوں گہن ہے
رکن مبین عالم کیا کوئی ڈھا رہا ہے

مظلوم کربلا کی شفقت لعینوں دیکھو
جور و جفا کا شکوہ لب پر نہیں دعا ہے

نعش حسینؑ تو ہی اے آسماں اٹھالے
ڈھایا ہوا زمیں پر کعبہ پڑا ہوا ہے

برکت سے خون شہ کے دیکھو امیر کیسا
رشک ارم بنا اب میدان کربلا ہے

سیّد الشہداءؑ کے حضور میں

(جناب ایم اے اکمل صاحب منشی کامل ہیڈ ماسٹر سیفیہ اسکول قطبی محلہ احمد آباد شہر از قوم بوہرہ)

آرزوئے کربلا ہے یا حسینؑ ابن علیؑ — بس یہی اک مدعا ہے یا حسینؑ ابن علیؑ
کربلا بندہ کو بلواؤ شتاب — ہند میں گھبرا رہا ہے یا حسینؑ ابن علیؑ
قاضی الحاجات تو ہے اور تو ہی — خلق کا مشکل کشا ہے یا حسینؑ ابن علیؑ
حاجتِ بیکس بھلا تیرے سوا — کون کر سکتا روا ہے یا حسینؑ ابن علیؑ
خلق کا مختار خالق نے تمھیں — یوم عاشورہ کیا ہے یا حسینؑ ابن علیؑ
اپنے بھائی سے کہو لے آؤ جاؤ — میرا خادم رو رہا ہے یا حسینؑ ابن علیؑ
مجھ کو کیوں روضے پہ بلواتے نہیں — کیا گنہ میں نے کیا ہے یا حسینؑ ابن علیؑ
کیا غلامی کے وفاتر سے مرا — آہ چہرہ کٹ گیا ہے یا حسینؑ ابن علیؑ
کون سا مجھ سے قصور ایسا ہوا — جس کے باعث یہ سزا ہے یا حسینؑ ابن علیؑ
حضرت عباسؑ کیوں آتے نہیں! — مجھ کو ان سے بھی گلہ ہے یا حسینؑ ابن علیؑ
سب کو لے جاتے ہیں آ کر بار بار — بندہ جاں کو کھو رہا ہے یا حسینؑ ابن علیؑ
رحم کھا کر اس کو بلواؤ شتاب — ہاتھ جوڑے یہ کھڑا ہے یا حسینؑ ابن علیؑ
شفقت و رحم آپ کا ہر ایک پر — باپ ماں سے بھی سوا ہے یا حسینؑ ابن علیؑ
آپ کے روضہ میں جو داخل ہوا — خلد اُس کو مل گیا ہے یا حسینؑ ابن علیؑ
اُمّتِ خیر الوریٰ کے واسطے — تم نے گھر تک دیدیا ہے یا حسینؑ ابن علیؑ
وعدہ ایسا کون ایفا کر سکے — جیسا کچھ تم نے کیا ہے یا حسینؑ ابن علیؑ
تم خبرگیر یتیماں ہو ضرور — اس پہ شاہد ہل اتیٰ ہے یا حسینؑ ابن علیؑ
خلق میں کب اور کو ایسا ملا — رُتبہ جو تم کو ملا ہے یا حسینؑ ابن علیؑ

اکمل پر اب تو لازم رحم ہے
دیر سے در پہ کھڑا ہی یا حسینؑ ابن علیؑ

شہدائے راہ خدا کی سیرت

(از جناب سید محمد اطہر صاحب کاشف لکھنوی)

شہید کربلا نے آغوش رسالت مآب میں پرورش پائی جناب فاطمہ زہراؑ کے دل کا ٹکڑا تھے' امیرالمومنینؑ حضرت علیؑ کے نور چشم تھے آپ میں وہ تمام اوصاف اور فضیلتیں تھیں جو ایک انسان کامل میں ہونا چاہیئے یعنی علم و حلم و عبادت و سخاوت و امانت و عدالت شجاعت و ریاضت و عطوفت و مروت ہی میں آپ عدیم المثال فقید النظیر نہ تھے بلکہ آپ تمام محاسن اخلاقی کے زندہ پیکر' یہی تو وجہ تھی کہ جناب رسالتمآبؐ نے انھیں دونوں شہزادوں کے یعنے حسنؑ و حسینؑ کے خصوصیات کو مدنظر رکھتے ہوئے سردار جوانان جنت کا بیش بہا لقب عطا فرمایا۔ امام حسینؑ کی وہ ذات مبارک تھی کہ خود جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے بالاعلان فرمایا۔ حسینؑ منی و انا من الحسینؑ۔ یعنی حسینؑ میرا مجھ سے ہے اور میں حسینؑ سے ہوں یعنی جس نے حسینؑ سے دشمنی کی اس نے مجھ سے دشمنی کی اور جس نے مجھ سے دشمنی کی اس نے خدا سے دشمنی کی اور خدا کا دشمن کافر ہے' وسطی جملوں کو درمیان سے حذف کر دو ابتدا اور انتہا کو ملا کے دیکھو تو معلوم ہوگا کہ رسولؐ کا مقصد یہ ہے کہ حسینؑ کا دشمن کافر ہے۔ مختصر حالات سید الشہداؑ آپ کی سات برس کی عمر تک خود جناب رسالتمآبؐ اور سیدۃ النساء العالمین فاطمہ زہراؑ آپ کی تعلیم تربیت میں مصروف رہیں اور ان کے بعد سرتاج اولیاء مدینۃ العلم حضرت علیؑ نے آپ کی تربیت کی اور آپ کی تربیت تعلیم کا اتنا اثر تھا کہ آپ زہد و تقویٰ علم و صبر ثبات و عزم استقلال و ہمت راحت و محبت اخلاق و کرم جود و سخا خدا پرستی و خدا ترسی میں آپ اپنا مثل و نظیر نہیں رکھتے تھے۔ عبادت میں انہاک کی یہ حالت تھی کہ اکثر راتیں بیداری میں گزر جاتی تھیں آپ نے اپنی حیات میں پچیس حج پیادہ کئے تھے کوتل گھوڑے آپ کے ساتھ رہتے تھے مگر آپ ان پر سوار نہ ہوتے تھے اور پیدل چلتے تھے۔

آپ کی سخاوت کی یہ حالت تھی کہ آپ کے در دولت پر سائل آکر محروم نہ جاتے تھے آپ باوجود بکثرت اعانت کرنے کے پھر بھی ندامت کا اظہار کرتے تھے کہ میں تیرے ساتھ جو دل چاہتا تھا سلوک نہ کر سکا۔

آپکی سخاوت کی یہ حالت تھی کہ پانچ پانچ ہزار درہم

ایک ایک وقت میں آپ نے غرباء کو تقسیم کر دیئے اور
پھر بھی ہر ایک سے یہی ارشاد فرماتے تھے کہ میں تمہیں
کم دے رہا ہوں۔ آپ کے پاس کہیں سے رقم آئی اور
آپ نے فوراً تقسیم کر دی ہر وقت دریائے جود و سخا
موجزن رہتا تھا آخر آپ حضرت رسول اللہ کے نواسے
تھے جن کے متعلق یہ ہے کہ آپ کا ایسا دنیا میں سخی ہوا ہے
اور نہ ہوگا۔ آپ راہِ خدا میں دینار لٹاتے تھے تو آپ کو
مسرت و خوشی ہوتی تھی جو کسی بادشاہ کو بر سرِ حکومت
پر بیٹھنے سے بھی نہیں ہو سکتی لیکن حضرت کی یہ حالت تھی
کہ آپ کسی کو مصیبت میں دیکھ لیتے تھے تو آپ کو چین
نہ آتا تھا جب تک اس کی مصیبت کو نہ رفع کر دیتے تھے۔

حلم و بردباری کی یہ شان تھی کہ بہت سے اصحاب
آپ کے ساتھ تلواریں باندھے بیٹھے ہوئے ہیں اسی اثنا
میں ایک شخص نے آکر پوچھا آپ ہی ابو تراب کے بیٹے
ہیں جن کے باپ بڑے خونریز تھے اور فتنہ پرور تھے۔
آپ کے اصحاب کو غصہ آگیا آپ نے اصحاب کو روکا اور مسکرا کر
فرمایا کیوں بھائی کیا تو بھوکا ہے، ضرورتمند ہے، قرضدار
ہے، اپنی بیوی سے لڑ کر آیا ہے یا کوئی حاجت ہے جو اتنے
غصہ میں بھرا ہوا ہے جو ضرورت ہو اُسے بیان کر میں
اُسے پورا کروں گا۔ وہ شخص بہت شرمندہ ہوا۔ آپ نے
فرمایا ہم تو وہ کوہِ حلم ہیں جسے باد تند کی طوفان خیزیاں بھی
ہرگز اپنی جگہ سے نہیں ہلا سکتیں، کیا اس جاہل عرب کی
گستاخی پر غصہ نہ آسکتا تھا مگر آپ کے حلم کی یہ حالت تھی۔
عفو کرم کی یہ حالت کہ ایک مرتبہ دستر خوان پر بیٹھے کھانا
تناول فرما رہے ہیں کہ کنیز کے ہاتھ سے گرم شوربہ کا پیالہ
چھوٹ گیا جس سے آپ کے تمام کپڑے تربتر ہو گئے آپ نے
جو اسکی طرف دیکھا تو گھبراہٹ اور خوف کے عالم میں بوجہ
یہ آیت پڑھی۔ والکاظمین الغیظ والعافین عن الناس۔
اس وقت نگاہ قہر مبدل بہ نگاہ عفو ہو گئی اور فرمایا
کظمت غیظی کنیز نے دوسرا حصہ پڑھا العافین عن الناس۔
آپکی آنکھیں جھک گئیں اور فرمایا کہ میں نے تجکو معاف کیا
وہ کنیز مزاج شناس نبوت تھی دریائے کرم کو موجزن دیکھ کر
کہنے لگی۔ واللہ یحب المحسنین۔ یہ سنتے ہی آپ نے نہ صرف یہ کہ آزاد
کیا بلکہ اسکے آئندہ مصارف کے بھی کفیل ہو گئے۔ شجاعت بہادری
کا یہ عالم تھا کہ جنگ جمل اور صفین اس شدت کے ساتھ
لڑے کہ ہر طرف ایک ہلچل مچی تھی صفین میں تو آپنے
کشتوں کے ڈھیر لگا دیئے تھے پھر کربلائے معلیٰ میں جو معیار
شجاعت آپ نے قائم کیا ہے اس کا جواب تو تمام ہی
دنیا پیش نہ کر سکی اور نہ پیش کر سکتی ہے ایک
یک و تنہا ذات نے ہزار ہا آدمیوں کے منہ پھیر دا
دیئے جدھر حملہ کرتے تھے صفیں کی صفیں درہم و
برہم کر دیتے تھے۔

(باقی آئندہ)

ماتمی گلدستہ

تبلیغی نوحوں کا لاجواب جدید مجموعہ

اس بیاض میں ۴۲ نامور شعراء کے قابل دید انتخابی تبلیغی نوحے درج ہیں ہر نوحہ اپنی نوعیت میں بالکل اچھوتا ہے مگر بہتری نوحے قابل دید ہیں حسب ذیل شعراء نے اپنا کلام عنایت فرما کر گلدستہ کو زینت بخشی ہے۔ حضرت نسیم امروہوی، حضرت نجم آفندی، حضرت سالک ابن شمس العلماء مولانا سید سبط حسن صاحب قبلہ مرحوم، حضرت فضل لکھنوی ایڈیٹر نظارہ، حضرت شدید جانشین حضرت رشید مرحوم، حضرت اختر سابق جنرل سکریٹری انجمن تنظیم المومنین لکھنؤ، حضرت قتیل، حضرت خنجر، حضرت شہید، حضرت نشور، حضرت اصغر سکریٹری انجمن ناصر العزا، حضرت رضا، حضرت زخمی، حضرت خضر، حضرت غضنفر، حضرت صادق، حضرت معراج بلگرامی، حضرت امیر بلگرامی، حضرت رضا ایڈوکیٹ، حضرت زیدی سہارنپوری وغیرہ وغیرہ بیاض ہذا اپنی نوعیت کے اعتبار سے بالکل جدید ہے، لکھائی و چھپائی و کاغذ نفیس ان تمام خوبیوں پر قیمت صرف ۸؍ محصولڈاک ۲؍ حضرات مومنین جلد از جلد طلب فرمائیں ورنہ دوسرے ایڈیشن کا انتظار کرنا پڑے گا کیونکہ کاغذ کی کمیابی کی وجہ سے بیاض ہذا بہت کم تعداد میں طبع ہوئی ہے۔ اس کے علاوہ ہر علم و فن کی کتابیں ہمارے کتب خانہ سے طلب فرمائیں۔

حسب ذیل جدید بیاضیں امسال طبع ہوئی ہیں، ۱؍ بجائے سیدانی ۳؍ شیون سہر نوحہ جات شعرائے لکھنؤ مجلد عہ سند بخشش ۵؍ آثار غم ۲؍ بہار غم ا؍ ظفر ایمان ا؍ خون کے آنسو ہر سہ حصہ ۱۲؍ فصل غم ا؍ ناصر ایمان ا؍ قاصد غم ۲؍ مقتل شہدا ۲؍ مجلس غم ۲؍ راز نجات ۲؍ فریاد عصمت ۲؍ نجم ماتم ۲؍ تاجروں کے ساتھ خاص رعایت

محمد تقی۔ مکتب خانہ اثنا عشری چوک لکھنؤ

ابو الفضل العباس علیہ السلام

(از جناب خنداں لکھنوی)

ہے ترے نام سے دنیائے وفا کی زینت — تو نے مفہوم شجاعت کی لگائی قیمت

روح ایثار ہے اخلاق کی تصویر ہے تو

حشر تک بیٹھ گئی کفر پہ حق کی ہمت — نوک شمشیر سے باطل کی بنائی تربت

کشتۂ عشق کو اک زیست کی تعبیر ہے تو

تجھ سے یہ راز کھلا فرض عقیدت کیا ہے

عقل انگشت بدنداں ہے تجھے کیا سمجھیں — کم ہے گر تجھ کو در معدن تقوی سمجھیں

تو نے بتلایا کہ خوددار کی جنت کیا ہے

کم ہے گر ہاتھوں کو تیرے ید بیضا سمجھیں — سچ ہے گر عکس تجھے شیر خدا کا سمجھیں

تو ہی عنوان وفا تجھ سے شجاعت زندہ — ہیبت کفر جلالت سے تری شرمندہ

ہم تجھے جان علیؑ حسن وفا کہدینگے

عزم و اخلاق کی دنیا کو کیا پائندہ — تو نے مستقبل عالم کو کیا تابندہ

پر خدا جانے نصیری تجھے کیا کہدینگے

تو نے ہستی کو شجاعت کی درخشانی دی

انقلاب آئے مگر تیری وجاہت ہی رہی — گزری مدت مگر اعزاز شہادت ہی رہی

ہمت و عزم کی انسان کو تابانی دی

نام کی تیرے دلوں میں ابھی ہیبت ہے وہی — رایت فوج حسینی کی جلالت ہی رہی

ہے تری ذات سے مانگی وفا کی تعلیم — تو نے انسان کو دی صدق و صفا کی تعلیم

آج بھی پرچم عباسؑ جو لہراتا ہے

تری تعلیم تھی دراصل خدا کی تعلیم — ضوفشاں آج بھی ہے کربلا کی تعلیم

خون کے ہر قطرے میں طوفان سا آجاتا ہے

جنگ کے بعد آپ

کیا کرنا چاہتے ہیں؟

جنگ کے بعد دکانوں میں سامان کی بہتات ہوگی جس کے دام مناسب بھی ہوں گے. جن لوگوں نے جنگ کے زمانہ میں فضول خرچی کی ہے وہ اسوقت پچھتائیں گے. کیونکہ آج کل آگ کے مول چیزیں خریدنے سے روپے کی پوری قیمت نہیں وصول ہوگی. جنگ کے بعد آپ جو کرنا چاہتے ہوں اس کے لئے روپیہ بچانا شروع کیجئے. ضروری اخراجات کے علاوہ ہر خرچ کو روک دیجئے اور اسوقت کے لئے روپیہ محفوظ رکھئے جب چیزیں سستی ہو جائیں گی۔

آئندہ کے لئے بچائیے

چار آنے روز بچائیے

صرف دو پیسے روز جمع کرنے کی جو عادت آپکو تھی وہی عادت پھر اختیار کیجئے. چار آنے روز یا ہو سکے تو اس سے زیادہ بچائیے پھر اس بچائی ہوئی رقم کو نیچے لکھی ہوئی محفوظ جگہوں پر لگائیے

اپنا روپیہ نفع خوروں کو نہ دیجئے

جب جنگ کے ختم ہونے تک بچا کے رکھیے، قومی [illegible] روپیہ لگا کر بیمہ پالیسی لیکر کسی بینک میں یا پوسٹ آفس سیونگ بینک میں سیونگ اکاؤنٹ کھول کر آپ بچت کی رقم محفوظ کر سکتے ہیں

آپ ان سے بھی اچھی جگہ روپیہ لگانا چاہیں تو سرکاری قرضوں اور سیونگ سرٹیفکیٹوں میں لگائیے. اپنے روپے سے سونا، چاندی، جواہرات یا سامان خرید کر مت ڈالیے کیونکہ قیمتوں کے گھٹ جانے کے بعد آپ کے روپے کی بہت کم وصولی ہوگی.

قوم کے لئے قومی جنگی محاذ کی اپیل

ذکر العباسؑ۔ جناب عباسؑ کی سوانحعمری ۸عہ

ہاشمی مجاہد۔ سوانحعمری حضرت علی اکبر ۱۲؍

ذخیرۂ مناقب۔ مع ہفت بند ملا کاشی عہ؍

ذخیرۂ ذاخر۔ جناب ذاخر کے منتخب نوحوں کا مجموعہ عہ؍

فریاد۔ بیاض نوحہ جات شمس العلما مولانا سید سبط حسن صاحب مرحوم ۷؍

حیات القلوب۔ جلد اول با محاورہ ترجمہ (مطبوعہ جدید) ے؍

حدیث غدیر۔ از شمس العلماء مولانا سید سبط حسن صاحب مرحوم ۸؍

ریاض المصائب (حدیث کی لاجواب کتاب) ۸؍

عزاداری کی تاریخ۔ مولانا سبط الحسن صاحب ہنسوی عہ؍

فلسفہ مذہب شیعہ۔ عزاداری کے اسلامی فوائد ۴؍

سُریلی بانسری۔ جناب آرزو کی خالص اردو غزلیات کا مجموعہ مجلد ۶؍

دعائے مشلول (مترجم) ۲؍

جناب سیدہ اوریان کی سادہ زندگی ۳؍

ہمارے سولؑ .... ۴؍

آثار عباسیہ .... ۲؍

تکمیل .... للعہ

اکمال .... عہ؍

امامۃ القرآن .... ۶؍

آیات محکمات .... صہ؍

سپہر امامت کے بارہ[۱۲] بروج ۸؍

کتاب الامامت والخلافت ... ۴؍

روضۃ الصادقین .... ۶؍

عقد المتعاقدین .... ۳؍

محاربہ حق و باطل .... ۶؍

ناصح مشفق .... ۳؍

محافل و مجالس ۸عہ

معراج الکلام .... عہ؍

چشمۂ نور (مثنوی) ۶؍

اشارات غم ..... (جناب نجم آفندی) عہ؍

منیجر نظارہ بکڈپو جوہری محلہ لکھنؤ

رجسٹر نمبر ل ۔ ۳۴۲

پبلیشر ایڈیٹر نے سرفراز قومی پریس میں چھپوا کر دفتر نظارہ وکٹوریہ اسٹریٹ لکھنؤ سے شایع کیا۔